محمد رسول اللہ ﷺ

ایک آفاقی پیغمبر



پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین

آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (56:33)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ

عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی

اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی

اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

''اے اللہ! رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آل محمدؐ پر جس طرح تو نے رحمت نازل کی حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر اور برکت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آل محمدؐ پر جس طرح تو نے برکت نازل کی حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیم پر۔ بیشک تو ہر تعریف کا مستحق اور بزرگ وبالاتر ہے''۔

اللہ
رسول
محمدؐ
صلی اللہ علیہ وسلم

ایک آفاقی پیغمبر

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

بیکن بکس ० گلگشت ملتان

باراوّل ——————— 2002

پریس۔ سلامت اقبال پرنٹنگ پریس ملتان

قیمت: ——————— =/150 روپے

22129

انتساب

اپنے والد مرحوم کے نام:

جن کی خواہش تھی کہ میں اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک علم حاصل کروں۔

اپنی والدہ کے نام:

جنکی دُعاؤں کے اثر سے میں آج اس مقام پر پہنچا ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

لقد کان لکم فی رسول اللّٰه اسوة

حسنة (21:33)

"You have indeed in the Messenger of Allah a beautiful pattern (of conduct)".

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین:

باب پنجم: غزوہ بدر سے بنی قریظہ تک

باب ششم: صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک

22129

کچھ مؤلف کے بارے میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا پنجاب کے مغربی ضلع کی پسماندہ تحصیل تونسہ شریف میں 24 ستمبر 1953ء کو ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام عبدالحمید تھا۔ جو ریاست پٹیالہ سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے شہر تونسہ شریف میں حاصل کرنے کے بعد ایف اے کیلئے اسلامیہ کالج لائلپور (فیصل آباد) اور بی اے کے لئے گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان میں داخلہ لیا۔ 1976ء میں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان سے بی ایڈ کیا، وہاں سے آپ کوئٹہ (بلوچستان) تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے ایم اے علوم اسلامیہ میں داخلہ لیا، بلوچستان یونیورسٹی سے فیکلٹی آف آرٹس میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی اور میرٹ ایوارڈ حاصل کیا۔ جس کی بدولت آپ کو برطانیہ کی یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کیلئے حکومت پاکستان کی منسٹری آف ایجوکیشن نے سکالرشپ دیا، آپ اکتوبر 1982ء سے مارچ 1987ء کے اوائل تک برطانیہ میں رہے۔ یہاں سے اصول الفقہ (اصول الجصاص) میں پی ایچ ڈی (Ph.D) کی ڈگری حاصل کی، پاکستان آ کر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سے منسلک ہو گئے 31 جولائی 2001ء تک اس ادارہ میں خدمات انجام دیں۔ آج کل آپ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بطور پروفیسر اسلامیات کام کر رہے ہیں۔ آپ نے 1991ء میں زکریا یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ 1992ء میں امریکہ کی یونیورسٹی ولانوا (PA) میں فل برائٹ سکالر شپ پر گئے جہاں آپ نے مستشرقین کی تحریروں کو پڑھا اور "Orientalism in America" کے حوالے سے تحقیقی مقالات لکھے اور انہیں "Hamdard Islamicus" میں شائع کیا۔ قومی اور بین الاقوامی سطح کی علمی اور تعلیمی کانفرنسوں میں شرکت کی اور مقالے پڑھے۔ ڈاکٹر اکرم رانا کی بے شمار موضوعات پر تحریریں

سامنے آئی ہیں ان کی تحریروں سے اسلام اور داعی اسلام سے ان کی محبت جھلکتی ہے۔

اس محبت کا ثبوت انہوں نے سیرت کی کتاب لکھ کر بطور خاص دیا ہے۔ یہ کتاب لکھنے کا شوق ان کے دل میں کئی سالوں سے موجزن تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ آج اپنی آرزوؤں کی تکمیل کر رہے ہیں۔

رانا صاحب کی زیر طبع کتابوں میں ''تاریخ مذاہب'' المعروف خدا کی تلاش، فتاوی جصاص، Orientalism in America، مشکلات القرآن اور جدید فقہی مسائل شامل ہیں۔

(بیکن بکس ملتان)

کچھ اس کتاب کے بارے میں

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے سیرت نگاروں کا سلسلہ طویل ہے لیکن بقول مارگولیتھ اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔

اس کام کا آغاز 20 مئی 1998ء کو کیا گیا تھا اور آج یہ بفضل تعالیٰ پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے، لازم ہے کہ اُس ذات اقدس کے سامنے سجدہ ریز ہوا جائے جس کی توفیق کے بغیر یہ کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔

یوں تو سیرۃ النبیؐ پر بے شمار کتابیں تحریر ہوئی ہیں جن کا ذکر میں نے اپنے مقدمہ ''فن سیرت نگاری'' میں کیا ہے اور ہر کتاب اپنی جگہ ایک اعلیٰ وارفع مقام کی حامل ہے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ بعض کتابیں اتنی طویل ہیں کہ قاری کے پاس آج وقت کی کمی کا رونا ہے۔ بعض کتابیں ایسی ہیں جو رطب ویابس روایات اور خلاف عقل واقعات کو بیان کرنے سے گریز نہیں کرتیں۔ بعض کتابوں میں ادبی رنگ زیادہ غالب ہے اور بعض ایسی ہیں جو حضورؐ کے کردار کو جنگجویانہ رنگ میں پیش کرتی ہیں۔ ایسے میں ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو مختصر ہو جسے ہر بچہ، جوان، بوڑھا، محقق اور یہاں تک کہ اہل مغرب کیلئے بھی مطالعہ کا باعث بنے۔ یہ کتاب ایسے انداز میں تحریر کی گئی ہے کہ اسے ہر گھر میں پڑھا جا سکے۔ تاکہ حضورؐ کی سیرت مبارکہ پر اُسی طرح عمل ہو سکے جس طرح آج سے قبل ہوتا آیا ہے۔

میں 1982ء میں برطانیہ کی یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز (St-Andrews) میں Ph.D کر رہا تھا کہ ایک دفعہ گھر میں کچھ Sanitory کا مسئلہ درپیش آیا۔ ایک پلمبر کو اس غرض سے بلوایا گیا۔ کام کے دوران گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے پوچھا کہ میرا کس ملک سے تعلق ہے اور کیا مذہب ہے؟ میں نے کہا کہ پاکستان کا رہنے والا ہوں اور اسلام ہمارا دین ومذہب ہے۔ جواب ملا کہ اچھا تو تم اُس نبی کے پیروکار ہو جو

Warrior تھا۔ یہ بات مجھے بہت کھٹکی، اس پر میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کہاں سمجھنے والا تھا کیونکہ یہ قوم صدیوں تک محمد عربیؐ کی اصل تعلیمات سے نا آشنا رہی۔ جب صلیبی جنگوں کی گرد بیٹھی تو مغرب اسلام کو اپنا دشمن اعظم تصور کرتا تھا۔ انہوں نے اسلام، قرآن اور محمد ﷺ کی ذات پر ایسے الزامات لگائے کہ اللہ کی پناہ۔ مسلمان سیرت نگاروں نے ان اعتراضات کے جوابات کیلئے بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور حق ادا کر دیا ہے۔ تاہم اس کتاب میں بھی اس چیز کا تذکرہ ملے گا۔ بانی اسلام پر یہ اعتراض کہ انہوں نے اپنے 10 سالہ مدنی دور میں 9 سال جنگوں میں مصروف گزارے، درست نہیں ہے۔ شبلی نعمانی نے اس اعتراض کا علمی طور پر جواب دیا ہے۔ یہ کتاب بھی اس خیال کی نمائندگی کرتی ہے۔ محمد ﷺ کی ذات اقدس دونوں جہانوں کیلئے رحمت بن کر آئی، 40 سالہ مکی زندگی میں تاریخ نویس ایک واقعہ بھی لڑائی کا بتانے سے قاصر ہیں۔ تاہم مدنی زندگی میں اپنے عقیدہ اپنی قوم اور اپنے معاہدین کی زندگیوں کی حفاظت کرنا آپکا فرض اولین تھا۔

محمد ﷺ کی تعلیمات نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ آج دنیا کی بیشتر آبادی کا مذہب اسلام ہے۔ اس سے یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک آفاقی پیغمبر ہے۔ میری خواہش تھی کہ اس کتاب کا ایسا نام ہو جو مجھے خواب میں اشارۃً معلوم ہو جائے۔ اس کے لئے میں ہر رات یہ خواہش لیکر سو جاتا تھا۔ آخر ایک رات مجھے جو نام سجھائی دیا وہ ''محمد رسول اللہ'' تھا۔ میں نے مزید شرح صدر کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا سہارا لیا۔ مطالعہ قرآن کے دوران میری نظر اس آیت پر جم گئی۔ ''لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ'' اس طرح اس کتاب کا نام ''محمد رسول اللہ'' رکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا نے اپنی سیرت کی کتاب کو نہایت اچھے اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ موصوف اس دور کے معروف اُستاد ہیں۔ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ پروفیسر صاحب نے سیرت مبارکہ جیسے موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ اُن کی تحریر سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح جھلک نظر آرہی ہے۔ نیز اس کتاب سے اُنکے وسیع مطالعہ اور علمی ذوق کا اظہار ہوتا ہے۔ میں اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یک گونہ مسرت اور طمانیت محسوس کر رہا ہوں۔

میرا یہ یقین کامل ہے کہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصدق وصفا ہر کس وناکس کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ سعادت اُسے ہی میسر آتی ہے جس پر اللہ کا خصوصی فضل وکرم ہو۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اگرچہ حق سیرت نگاری نہ تو کسی نے ادا کیا ہے اور نہ کر سکے گا۔ بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی اپنی محبت کا اظہار اس سے بڑھ کر نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی زندگی کے بیشتر ایام اُن کی سیرت لکھنے میں خرچ کردے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے عصری تقاضوں اور ضرورت کو مدنظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ آج کا انسان پریشان حال ہے۔ وہ محرومیوں کو اپنا مقدر سمجھ بیٹھا ہے۔ مَن کی دنیا میں اُلجھ کر رہ گیا ہے۔

ایسے میں اسے چاہئے کہ وہ سید المرسلین خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے اسوہ

حسنہ کو اپنائے۔ مگر کیسے؟ ڈاکٹر محمد اکرم رانا کی یہ کتاب پڑھ کر ایک دفعہ تو انسان ضرور ہی اپنے اندر دین وایمان کی روشنی محسوس کرے گا۔ اگر اُس کی لگن سچی ہوئی تو وہ اپنی منزل تک رسائی یقیناً حاصل کر لے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو قبول کرے اور اسے مصنف کی دین ودنیا میں کامیابی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر شعبہ سیرت
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

فن سیرت نگاری

فن حدیث کی طرح فن سیرت نگاری بھی روایت اور درایت کے اصولوں کا پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فن حدیث اور فن سیرت کی تدوین ہوئی تو روایت اور درایت دونوں جہتوں سے اچھی طرح تحقیق کا کام لیا گیا۔ سیرت نگاروں نے تحقیقی اعتبار سے فن سیرت کا ایسا معیار قائم کیا جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ مشہور مستشرق اسپرنگر ''اصابہ'' کے دیباچہ میں لکھتا ہے: ''نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری' نہ آج موجود ہے' جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو''۔ (1) یہ فن اصول روایت کہلایا۔

حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے اصول درایت کے طور پر یہ رائے دی کہ سیرت نگار کو سیرت سے پوری واقفیت ہونی چاہیئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے وقت کے واقعات وحالات پر گہری نظر رکھتا ہو۔ شبلی نعمانی نے سیرت نگاری میں احتیاط کیلئے محدثین کے مسلم فن درایت کی بنیاد پر گیارہ اصول مرتب کیے۔ جن کا سیرت نگار کو خیال رکھنا چاہیئے۔ (2)

جہاں تک سیرت رسولؐ کے ماخذ ومنابع کا تعلق ہے ان میں قرآن مجید' کتب احادیث' کتب مغازی وسیر' کتب تاریخ' کتب تفاسیر' کتب اسماء الرجال' کتب شمائل' کتب دلائل النبوۃ' کتب آثار واخبار اور معاصرانہ شاعری شامل ہیں۔ (3)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں کا سلسلہ طویل ہے۔ جس کو ختم کرنا ناممکن ہے لیکن بقول مارگیولیتھ اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔ (4) تصنیف وتالیف سیرت کا سلسلہ یقیناً طویل ہے۔ تاہم مثالی سیرت نگاری کے نمونے کم

ملتے ہیں۔ اس مضمون میں قدیم اور جدید ہر دو ادوار کے ایسے جید نسخوں کا تعارف کرایا گیا ہے جو باقی سیرت نگاروں کے لئے بطور ماخذ مستعمل ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ سیرت نبویؐ پر اس قدر کتابیں معرض وجود میں آ چکی ہیں۔ جو نہ صرف مسلمانوں نے تحریر کی ہیں بلکہ غیر مسلموں بشمول ہندوؤں نے بھی اس فن پر قلم اٹھایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضورؐ کی تعلیمات نے دنیا میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ اسلام نے صرف چند سالوں میں حجاز کی سرزمین سے نکل کر مشرق ومغرب میں اپنے پیغام کو عام کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں اہل اسلام نے اپنے ہادی برحق کے احوال واقوال کو اس احتیاط اور تفصیل سے محفوظ کیا کہ بقول مولانا شبلی اس کی زبان کا ایک ایک حرف' اس کی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا اور اس کے حلیہ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا ہے۔ (5)

بانی اسلام کی زندگی اور ان کے مشن کے ہر شعبہ کے متعلق اس قدر کثیر اور وافر مواد موجود ہے کہ ایک مورخ یا سیرت نگار انگشت بدنداں ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اس بات کا فیصلہ کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہے کہ کن کتابوں کو اپنی تحقیق کا مآخذ بنائے۔ فن سیرت' فن مغازی' فن تفسیر اور فن حدیث میں مسلمانوں نے کمال درجہ تک مہارت حاصل کی۔ سینوں سے ارشادات رسول اور تاریخی روایات منتقل ہو کر جمع وکتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ سیرت کا باقاعدہ آغاز خلافت راشدہ (عہد صحابہ) کے بعد خلافت بنو امیہ کے زمانہ میں ہوا۔ پھر یہ سلسلہ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے عروج وارتقاء خلافت عباسیہ بغداد کے عہد میں حاصل ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی فرمائش پر اسلامی روایات کا ذخیرہ کاغذات پر منتقل کرنے کی ذمہ داری اس وقت کے سب سے بڑے عالم امام محمد بن مسلم شہاب الزہری (م 124ھ) کے کندھے پر ڈالی گئی۔ (6) ایک روایت کے مطابق اموی حکمرانوں کی فرمائش پر انہوں نے سیرت اور مغازی

پر مستقل تصانیف چھوڑیں۔ تاہم یہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ ایک بات جو مکمل دیانت داری کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ فن مغازی پر سب سے بڑا نام موسیٰ بن عقبہ (م 141ھ) کا ہے۔ آپ کی تحریر کردہ کتاب المغازی اہل علم کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ جس کے حوالے واقدی، ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں موجود ہیں۔ تاہم یہ کتاب بھی زہری کی کتاب کی طرح زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ تاہم ابتدائی سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان، عروۃ بن الزبیر، وھب بن منبہ، عاصم بن عمر، شرجیل بن سعد، عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم اور ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن کے نام بھی لئے جا سکتے ہیں۔ (7)

فن سیرت میں محمد بن اسحاق (م 150ھ) کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ علامہ بلاذری کی روایت کے مطابق خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر آپ نے سیرت کی کتاب تحریر کی۔ ابن اسحاق کی سیرت میں معلومات کی فراوانی تھی اس لحاظ سے اسے جامع اور مفصل سیرت کی کتاب کہا گیا۔ دراصل یہ ہی وہ کتاب ہے جس پر بعد میں آنے والے مورخین اور مصنفین نے اعتماد کیا اور اسے ماخذ اولین قرار دیا کیونکہ اس سے پہلے کے نوشتے ناپید ہو چکے تھے۔ ابن خلدون اور امام طبری جیسے فاضل محققین بھی اس کتاب سے حوالے دیتے نظر آتے ہیں۔ ساتویں صدی ہجری تک یہ تالیف محفوظ رہنے کے باوجود اصل حالت میں ہم تک نہ پہنچ سکی۔ تاہم ڈاکٹر حمید اللہ جو کہ اسلامی علوم وفنون کے مستند سکالر ہیں اس کتاب کے کچھ صفحات محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قدرت نے ابن اسحاق کی سیرت کو محفوظ کرنے کا بہترین بندوبست کیا۔ سیرت ابن ہشام (م 213ھ) کی شکل میں یہ کتاب تلخیص کی صورت میں آج ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اس کتاب کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ لوگ ابن اسحاق کی اصل کتاب کو بھول گئے۔ سیرت ابن ہشام اصل عربی میں جرمن مستشرق وسٹن فیڈ (Wusten

Feid) کے ہاتھوں شائع ہوئی۔ اب اس کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں۔

انگریزی زبان میں سب سے بہترین ترجمہ پروفیسر گیوم (Giaume) نے کیا اور جرمن زبان میں پروفیسر وائل (Weil) نے اسے شائع کیا۔ اردو زبان میں اس کے تراجم جو ہوئے ہیں ان میں مولوی محمد انشاء اللہ اور مولوی محمد حلیم انصاری نے 1914ء میں مکمل کیا۔ دوسرا ترجمہ سید یاسین علی نے 1915ء میں شائع کرایا۔ ایک اور ترجمہ مولوی قطب الدین احمد صاحب کا ہے جو حیدر آباد دکن سے 1948ء میں منظر عام پر آیا۔ ابن الوقشی (م 489ھ) جن کا نام ہشام بن احمد بن ہشام بن خالد ہے نے بڑی مہارت اور اتقان کے ساتھ سیرت ابن ہشام کی شرح لکھی جس کا نام ''تنبیہات ابن الوقشی'' رکھا۔ ابن الوقشی معتزلہ سے متاثر تھے۔ تاہم ان کی سیرت نگارانہ سرگرمیوں سے کسی کو انکار نہیں۔ (8)

سیرت ابن ہشام کی بہترین شرح ابو القاسم عبدالرحمان سہیلی (م 581ھ) کی ''الروض الانف'' کے نام سے ہے۔ موجودہ دور میں جو مصنف بھی سیرت پر قلم اٹھانے کا خواہش مند ہوتا ہے وہ اس شرح سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ ایک سو بیس کتابوں کا یہ نچوڑ ہے۔ یہ کتاب جامع اور محققانہ ہے۔ علم وادب' اسماء الرجال وانساب اور فقہی ونحوی معلومات کا خزانہ ہے۔ (9)

متقدمین میں ایک نام محمد عمر واقدی (207ھ) کا ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی شہرت میں کسی کتاب سے کم نہیں۔ یہ ابن اسحاق کی سیرت کی طرح مفصل' مبسوط اور جامع ہے۔ امام طبری اور ابن سعد نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ جس سے جرمن مستشرق ویلہاؤزن (Welhausen) نے اسکا جرمن میں ترجمہ کیا۔ مسٹر جونز (Jones) نے اسے 1964ء میں ایڈٹ کر کے سیرت نگاروں میں اپنا نام محفوظ کر لیا۔ اس کتاب کی قسمت

یہ ہے کہ ہمیشہ Controversial رہی ہے۔لیکن یورپین سیرت نگار اس کتاب پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔

واقدی کے شاگرد محمد بن سعد (230ھ) کی طبقات ابن سعد کو علمی حلقوں میں کون نہیں جانتا۔ انہوں نے اپنی تحقیق کا دائرہ کار سیرت نبویؐ سے بڑھا کر صحابہ کرامؓ اور تابعین تک کر دیا۔تاہم اپنی کتاب کے ابتدائی حصہ میں سیرت رسولؐ کا بیان کیا۔جس میں اپنے استاد سے استفادہ کیا۔ یہ کتاب پروفیسر زخاؤ (Sachou) نے 8 جلدوں میں ایڈٹ کی۔ پہلی دو جلدیں سیرت کا بیان ہیں۔اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے۔ جو عبداللہ العمادی نے 1944ء میں کیا۔اس کے علاوہ انساب الاشراف کے نام سے علامہ بلاذری کی تصنیف اہل علم کے ہاں بہت ہی مقبول اور متداول ہے۔ آنحضورؐ کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے حضورؐ کی سیرت کا مکمل نقشہ پیش کیا۔انہوں نے چندنئی روایات کو بھی اپنے ہاں جگہ دی ہے۔ یہ کتاب بھی سیرت نبویؐ کے بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کتاب کو ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔

تاریخ اسلام اور سیرت پر ایک اور مستند کتاب امام محمد بن جریر طبری (310ھ) کی ہے۔اس کتاب کی جتنی خوبیاں گنوائی جائیں کم ہیں۔امام طبری' سیرت' تفسیر اور تاریخ کے امام تصور ہوتے ہیں۔ انہوں نے ساری عمر دین کیلئے وقف کی۔ سیرت نبویؐ پر ایک ضخیم حصہ مدون کیا۔ یہ کتاب اردو میں بھی منتقل ہو چکی ہے۔اس کے مترجم سید محمد ابراہیم ندوی تھے۔

اندلس کے سیرت نگاروں کے بارے میں اگر تفصیلات مرتب کی جائیں تو ابن عبدالبر (م 463ھ) کا نام لئے بغیر چارہ نہیں۔ حصول علم میں انہوں نے ایسی مہارت حاصل کی کہ اپنے پیش رو اندلسی علماء پر فوقیت حاصل کر لی۔ ان کی عظمت کی

گواہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ وہ عالم فقیہ' محدث ہونے کے علاوہ سیرت نگاران اندلس کے بہترین نمائندہ اور عروج سیرت نگاری کی دلیل اعظم ہیں۔ (10) انہوں نے سیرت پر ایک مکمل و جامع تصنیف چھوڑی۔ جس کا نام ''الدرر فی اختصار المغازی والسیر'' ہے۔ مصری عالم ڈاکٹر شوقی نے اس کو شائع کیا۔ عبدالبر اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔ ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت' عہد رسالت کے ابتدائی حالات' غزوات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے''۔ بقول شوقی انہوں نے سیرت پر ایک مختصر تصنیف پیش کی ہے۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں غیر ضروری اور غیر متعلق مباحث پائے جاتے ہیں تو انہیں خیال ہوا کہ وہ صرف آبدار موتیوں کو چن لیں۔ انکی کتاب کی قدر و قیمت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ اندلسی عالم ابن حزم نے بھی اپنی کتاب ''جوامع السیر'' میں کچھ روشنی ''الدرر'' سے حاصل کی ہے۔

افریقی سیرت نگاروں میں قاضی عیاض کا نام ''کتاب الشفاء'' کی بدولت سیرت کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ قاضی صاحب نے رسول اکرمؐ کے اخلاق' معجزات اور کرامات کو ایسے طریقہ سے بیان کیا کہ ان کی والہانہ عقیدت و محبت نکھر کر سامنے آ گئی۔ ایسی وارفتگی پہلے کسی کتاب میں نہ دیکھی گئی۔ یہ کتاب مصر' ترکی اور ہندوستان سے متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی شروحات بھی بے شمار ہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون کے پانچ صفحات پر مشتمل تفصیل فراہم کی ہے۔ بقول ابن فرحون یہ کتاب اپنی انفرادیت کے سبب مشرق و مغرب میں مقبول عام ٹھہری ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ''شمیم الریاض'' کے نام سے محمد اسمٰعیل کاندھلوی نے کیا۔ دوسرا ترجمہ نذیر احمد جعفری نے کیا ایک اور ترجمہ احمد علی شاہ نے لاہور میں 1914ء میں کیا۔

سیرت پر ابوالفتح ابن سید الناس (671ھ) کا ذکر تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی سیرت کی کتاب فصاحت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ

ہے کہ انکا طرز بیان محدثین جیسا ہے نہ کہ مورخین جیسا۔ معتبر اور مستند روایات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے حضورؐ کی مدح میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ اس کتاب کا ماخذ علامہ ابن عبدالبر کی کتاب ''الدرر'' ہے۔

ابن قیم الجوزیہ (م 751ھ) کی ''زاد المعاذ'' رسول پاکؐ کے حالات و واقعات بیان کر کے فقہی احکامات متعارف کراتی نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کتاب سیرت نبویؐ پر عمل کرنے پر ابھارتی ہے۔ اسکا اردو میں ترجمہ 1924ء لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

فن سیرت اور فن حدیث کے امام ابوالعباس احمد بن محمد شہاب الدین قسطلانی (م 923ھ) کی کتاب ''المواہب اللدنیۃ'' بڑی مشہور ہوئی۔ علمی حلقوں میں یہ کتاب مقبولیت کی حدوں کو چھو چکی ہے۔ اس کی مقبولیت کا ثبوت یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی کئی شروحات لکھی گئیں۔ جن میں زرقانی کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ اس کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالجبار خان آصفی نے کیا۔

سیرت کی ایک اور مشہور کتاب ''سیرت حلبیۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مؤلف کا نام علامہ علی بن برہان الدین حلبی (م 1044ھ) ہے۔ اس کتاب کے مآخذ دو ہیں۔ ایک کا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ ابن سید الناس کی کتاب ''عیون الاثر فی فنون السیر'' ہے۔ دوسری سیرت الشامی کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں ایسے مسائل بھی شامل کیے ہیں جن کا تعلق عقائد یعنی علم الکلام اور اصول الدین سے ہے۔ دوسرا مبادات یعنی فقہ سے متعلق ہے۔

مصری سکالر محمد حسین ہیکل شبلی کی طرز کے مصنف ہیں۔ انہوں نے جدید زمانے میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے۔ اپنے مقدمہ میں وہ لکھتے

ہیں کہ ان کی سیرت لکھنے کا مقصد مسیحی سوانح نگاروں کے الزامات کا جواب دینا ہے۔ دوسرا آنحضرت ﷺ کو عہد حاضر کے مسلمانوں کیلئے بھی بطور نمونہ پیش کرنا ہے۔ (11)

ہیکل کی لکھی ہوئی سیرت مشرق ومغرب میں از حد مقبول ہے۔ موجودہ دور کے سیرت نگاروں کے لئے اہم مآخذ ہے۔ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری زبانوں میں اس کے تراجم سامنے آچکے ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کا بہترین ترجمہ اسماعیل راجی الفاروقی نے کیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ابو یحیٰ محمد امام نوشہروی نے کیا۔ مقدمہ کا ترجمہ محمد حسین رضی نے 1940ء میں ''مقدمہ زندگی محمدؐ'' کے نام سے کیا۔ مصر کے ایک اور سیرت نگار توفیق الحکیم ہیں۔ ان کی کتاب ''محمد صلعم'' ادبی شاہکار ہے۔ اس کا اردو ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی نے کیا۔

ہمارے یورپی سوانح نگاروں نے بھی حضورؐ کی سیرت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں منٹگمری واٹ کی کتابوں ''محمدؐ ایٹ مکہ'' اور ''محمدؐ ایٹ مدینہ'' کو کافی اہمیت حاصل ہوئی۔ پروفیسر موصوف نے کوشش کی ہے کہ وہ آزادانہ طرز اختیار کریں تاکہ انکی کتاب Controversial نہ بن سکے۔ اس لئے وہ ایک طرف مسیح برادری کو یہ سبق دیتے ہیں کہ وہ اپنی تحقیق میں تعصب کو چھوڑ دیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ یورپی مستشرقین کی ہر کتاب پر شک وشبہ کا سوال نہ اٹھائیں۔ اس کے علاوہ سیرت پر انگریزی زبان پر بے شمار کام ہوا ہے۔ نہ صرف انگریزی بلکہ جرمن' فرانسیسی اور دیگر زبانوں میں بھی آنحضرتؐ کی زندگی محفوظ ہو چکی ہے۔

جب ہم برصغیر میں داخل ہوتے ہیں تو ہماری سب سے پہلی نظر سرسید احمد خان پر پڑتی ہے۔ سرسید احمد خان کا شمار برصغیر کے ان مشہور سیرت نگاروں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے مستشرقین کی گمراہ کن سرگرمیوں کا بہت مدلل اور موثر جواب دیا۔ سرسید احمد خان نے سرولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کے جواب میں اپنی مشہور زمانہ کتاب

''خطبات احمدیہ'' تحریر کی۔ جس کو اردو زبان میں سیرت کی پہلی تصنیف کہا جانا چاہیے۔
اس کتاب کا انگریزی ترجمہ A series of Essays on the life of Muhammad کے عنوان سے 1870ء میں لندن سے شائع ہوا۔

سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' چار جلدوں میں 1861ء میں شائع ہوئی۔ یوں تو سر ولیم میور سے قبل بھی عیسائی مصنفین کا رسول اللہؐ کے بارے میں معاندانہ رویہ تھا لیکن ولیم میور نے خود مسلمان مصنفین کی کتابوں کے حوالے دے کر نبی پاکؐ کی تنقیص کی۔ سر سید احمد کہتے ہیں یہ بات بہت ''خطرناک'' تھی۔ بقول مولانا الطاف حسین حالی سر سید اس کتاب کا جواب دینے کیلئے ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ (12)

سر سید نے ''خطبات احمدیہ'' لکھ کر فن سیرت نگاری کے جن اصولوں کی بنیاد رکھی وہ قابل ذکر ہیں:

1- سیرت کے ماخذ کی تنقید اور چھان بین۔
2- مغربی مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ۔
3- انجیل سے قرآنی صداقت کے ثبوت۔
4- عرب کے جغرافیائی اور نسلی واقعات کی تحقیق۔
5- اسلام کی تمدنی حیثیت کا مطالعہ۔

''خطبات احمدیہ'' موضوع اور اسلوب ہر دو اعتبار سے اپنی پیشرو کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی اور مدعا نویسی سر سید کی تحریر کی خصوصیات ہیں۔ سر سید سلاست اور روانی کو بہت پسند کرتے تھے۔ سر ولیم میور کے جواب میں ان کا انداز عالمانہ اور سنجیدہ رہا نہ کہ معاندانہ، مخاصمانہ یا مناظرانہ۔

برصغیر میں خدمت سیرت کے سلسلہ میں ایک اور نام قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا ہے۔ ان کی ''رحمۃ للعالمینؐ'' کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ شبلی کی سیرۃ النبیؐ

کو چھوڑ کر کسی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ ان کی کتاب تین جلدوں پر مشتمل، روایات کی صحت، واقعات کی ترتیب، مطالعہ کی وسعت، نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت اور حضورؐ کی ذات سے والہانہ لگاؤ کو ظاہر کرتی ہے۔ آپ کی کتاب کے بارے میں ایک خوبصورت تبصرہ یہ ہے کہ "مصنف نے اس کتاب کے صفحات پر دماغ کے ساتھ ساتھ دل کے ٹکڑے بھی رکھ دیئے ہیں۔ ایک ایک لفظ سے عشق نبویؐ اور حب انسانیت نمایاں ہے"۔ (13)

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اشاعت کے بعد اسے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، جامعہ عباسیہ بہاولپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیو بند، انجمن حمایت اسلام لاہور اور اسلامی یونیورسٹی سعودی عرب اور دیگر اسلامی مدارس نے شامل نصاب کر لیا۔ (14)

قاضی صاحب کی اس کتاب کی خصوصیت جو میرے ذوق مطالعہ کی وجہ بنی وہ ان کا عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ قاضی صاحب نے قرآن اور صاحب قرآن پر وارد اعتراضات کا جہاں جہاں سمجھا شافی جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قرآن کا یہودیوں اور عیسائیوں پر احسان ہے کہ اس نے انبیاء کی سچی شان دنیا پر ظاہر کی ورنہ انہوں نے تو اپنے انبیاء پر شرمناک الزامات وارد کئے تھے۔ قاضی صاحب کے نزدیک سیرت نگاری کا حقیقی مقصد حب رسول کو اجاگر کرنا ہے۔ کیونکہ آپ محبوب خلائق، محبوب ملائک اور محبوب خدا ہیں۔ تاہم جہاں تک اسلام کی حقانیت اور بانی اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے والی بات ہے۔ اگر سرسید کی خطبات احمدیہ اور منصور پوری کی رحمتہ للعالمین کا تقابل کریں تو جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے۔

"سرسید کی خطبات احمدیہ میں کارلائل، گبن، ڈیون پورٹ، گاڈ فرے، ہگنز، ولیم میور، پادری فنڈر، اسپرنگر، جارج سیل، پریڈو اور پوکاک کے ناموں کی تکرار ہے۔ جبکہ رحمتہ للعالمینؐ کے صفحے صفحے پر کتاب پیدائش، کتاب استثناء، کتاب یسعیاہ، کتاب

خروج' کتاب تواریخ' کتاب سلاطین' انجیل لوقا' انجیل متی' انجیل یوحنا' مکاشفات یوحنا' ملاکی نبی کی کتاب' یوسیاہ نبی کی کتاب کے نام دکھائی دیتے ہیں''۔ (15)

سیرت النبیؐ از شبلی کے ساتھ اگر اس کتاب کا تقابل کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ رحمتہ للعالمینؐ کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور سیرت النبیؐ کا دماغ کے ساتھ۔ (16)

جدید دور کی بطور مآخذ مستعمل ہونے والی سیرت کی کتاب مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ ہے۔ شبلی کا مطالعہ جدید وقدیم ہر دو اصولوں کا امتزاج ہے۔ سیرۃ النبیؐ کا اہم کارنامہ ایک طرف یہ ہے کہ انہوں نے یورپی مصنفین کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات پر کاری ضرب لگائی۔ دوسری طرف سیرت نگاری کے اور سیرت نگاروں کے لئے اصول مرتب کیے۔

اپنی سیرت کا ایسا مقدمہ تحریر کیا۔ جس سے مغازی' سیرت' حدیث اور تاریخ کا فرق نکھر کر سامنے آ گیا۔ شبلی نے غزوات' غلامی تعدد ازدواج جیسے مسائل پر مغربی آراء کو بیان کر کے علمی اور اسلامی نقطہ نظر واضح کیا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ ''شبلی وسلمان کی مرتب کردہ یہ سیرت ہمارے دینی ادبیات عالیہ میں بلند حیثیت کی مالک ہے''۔ اس میں حضورؐ کی لفظی شبیہہ بھی آ گئی ہے اور اسوہ بھی سیرۃ النبیؐ کہانی نہیں دین ہے اور یہی چیز اسے سیرت کی باقی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔ (17)

سیرت النبیؐ کی تالیف کے وقت مصنف ایک فرد واحد نہیں تھا۔ بلکہ ایک ٹیم کا کپتان تھا۔ اسے سید سلمان ندوی' عبدالماجد دریا آبادی' عبدالسلام ندوی' مولانا حمید الدین فراہی اور سید نواب علی اور بعض اوقات ابوالکلام آزاد جیسے نابغہ روزگار کی معاونت بھی حاصل رہی۔ اتنے افراد کی آراء اور ہمدردی سے جو تخلیق ہو گی وہ یقیناً ایک شاہکار ہو گی۔

شبلی کو سیرت سے جو محبت تھی وہ ان کی زندگی کے آخری الفاظ سے بھی ظاہر

ہوتی ہے وہ سید سلیمان ندوی کو بلا کر کہتے ہیں۔''سیرت' سیرت' سیرت'' یعنی''سب کام چھوڑ کے'' سیرت مکمل کرنا۔

سید سلیمان ندوی نے بستر مرگ پر آخری سانس لیتے ہوئے اپنے استاد سے جو وعدہ کیا تھا اسے انتہاء درجے کے احساس ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ سید صاحب نے''سیرۃ النبیؐ'' کو ایک زندہ جاوید کارنامہ' لازوال یادگار اور غیر فانی توشہ آخرت بنا دیا۔ اس کی زبان اتنی بلند پایہ اور معیاری ہے کہ اردو ادب بہت ترقی کے باوجود اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

سیرت النبیؐ کے اگر صرف ماخذ ہی شمار کیے جائیں تو بذات خود ایک چھوٹی سی کتاب بن جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنی عرق ریزی ہوئی ہوگی۔ ان کتابوں کی محض ورق گردانی کے لئے ہی ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔

سیرت النبیؐ کا اسلوب نہایت دلکش ہے۔ اس میں جن اصولوں کو روا رکھا گیا ہے۔ ان سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہی۔ مولانا نے یورپین سیرت نگاروں کے افکار باطلہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ ان کے تمام الزامات کی قلعی کھول دی۔ انہوں نے ولیم میور' مارگولیتھ اور ولہا وزن کے افکار پر ضرب کاری لگائی۔ آپ کی کتاب میں اس لحاظ سے عشق ومحبت کا وہی رنگ ہے جو خطبات احمدیہ میں پایا جاتا ہے۔

شبلی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے۔ انہوں نے عربی سیرت نگاروں' مورخوں اور ارباب روایت کے بے بنیاد اور مشکوک بیانات کو بھی ہدف تنقید بنایا۔ انہوں نے ان محدثین پر افسوس کا اظہار کیا جنہوں نے قصہ غرانیق کی روایات کو بہ سند نقل کیا۔ (18)

شبلی کی سیرت نگاری میں عصری افکار کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بقول سید عبداللہ شبلی اپنے پیشرووں سے یکسر مختلف ہے۔ کیونکہ شبلی نے آپؐ کی ذات کو روحانیت کامل اور پاکیزگی کا ارفع وکامل نمونہ قرار دیا ہے۔ (19)

اس کتاب کی تکمیل میں سید سلمان ندوی کا بھی اتنا ہی حصہ ہے۔ جتنا شبلی کا۔ جہاں شبلی کی شخصیت شوخ' گرم جوش' جذباتی اور نفاست پسند تھی۔ وہاں سلمان ندوی سنجیدہ' بردبار' معتدل مزاج اور ٹھنڈے انسان تھے۔

اور یہی صفات ان کے اسلوب کا خاصہ بنیں۔ تصانیف میں شبلی کے انداز کو مشرقی اور سید صاحب کے انداز کو مغربی قرار دیا گیا ہے۔ شبلی والے حصے میں اگر حضورؐ کی لفظی شبیہہ کا بیان ہے تو سلمان والے حصے میں اسوہ حسنہ اور دینی احکام کی روح کا ذکر ہے۔ آخر میں یہ کہنا بجا ہے کہ سیرت نبویؐ پر یہ انسائیکلو پیڈیا ہے۔ بقول اختر وقار عظیم ''آج تک سیرۃ النبیؐ سے زیادہ محققانہ' عمدہ اور جامع المعلومات کتاب رسول کریمؐ پر نہیں لکھی گئی''۔ (20)

سید سلمان ندوی کا ایک عمدہ شاہکار نبوت ''خطبات مدراس'' کے نام سے منصہ شہود پر آیا۔ آپ نے معروف زمانہ آٹھ خطبے 1925ء میں اسلامی تعلیمی انجمن میں دیئے اور 1926ء میں انہیں کتابی شکل دی۔

شاہ معین الدین ندوی کا تبصرہ اس کتاب کی قدر و قیمت میں چار چاند لگا دیتا ہے وہ لکھتے ہیں۔ ''یہ تنہا کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت و عظمت اور دوسرے مذاہب پر برتری کے ثبوت کے لئے کافی ہے''۔ (21)

سیرت النبیؐ اور رحمتہ للعالمینؐ کی شہرت و مقبولیت کے بعد اردو کی بیشتر کتب وہ درجہ و مرتبہ یقیناً نہ پا سکیں جو ان کا حق تھا۔ تاہم عاشقان رسولؐ اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت سیرت کی کتابیں لکھ کر دیتے رہے اور دیتے رہیں گے۔ ان میں ایک نام مولانا محمد اشرف علی تھانوی کا بھی ہے۔ آپ نے ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' لکھ کر ایک دفعہ پھر لوگوں کو گرما دیا۔ مصنف کی یہ خواہش تھی کہ ایسی کتاب ہو جو ہر گھر میں پڑھی جا سکے۔ جس سے ہر عام خاص' بچہ بوڑھا' عورت و مرد پڑھا ہوا ان پڑھ مستفید

ہو سکے۔ اس کتاب کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ہر بیان کے بعد ایک نتیجہ نکالا گیا ہے یا کوئی نصیحت کی گئی ہے۔ جس سے سننے اور پڑھنے والے سیرت رسولؐ پر عمل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (22)

علم و تحقیق کی وسعت یا گہرائی اور اپنی معلومات کو خوبصورتی کے ساتھ دلنشین طریقہ پر بیان کرنا یا تحریر میں لانا یہ وہ کمالات ہیں جن میں بڑی حد تک کسب کو بھی دخل ہے۔ لیکن عشق کی آگ اور دل کا سوز و گداز وہ دولت ہے۔ جو صرف خدا کی دین پر موقوف ہے۔ جب وہ کمال اور یہ خدادا د دولت کہیں جمع ہو جائیں اور دونوں مل کر کوئی تصویر تیار کریں تو جیسی کچھ تیار ہو گی ''النبی الخاتم'' از سید مناظر احسن گیلانی اس کی زندہ مثال ہے۔

مولانا منظور نعمانی کہتے ہیں: ''یہ کتاب اگرچہ سیرت پر لکھی گئی ہے جو تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے لیکن مصنف کا مقصد اس سے صرف سوانح نبویہ کی تدوین نہیں ہے بلکہ ان کا مطمع نظر اس میں تبلیغ اور دعوت الی الحق ہے''۔ (23)

النبی الخاتم دراصل ایک طویل مقالہ ہے جو ایک کتاب کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اسے ''دریا بکوزہ'' کی مثال سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا انداز ایک جوشیلے خطیب کا ہے اس میں مکی زندگی کو دل کی زندگی اور مدنی زندگی کو دماغ کی زندگی کہا گیا ہے۔ (24)

کلاسیکی انداز کی ایک اور ضخیم کتاب مشہور عالم دین اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی سیرت المصطفیٰ ہے۔ اس کا انداز وہی ہے جو عربی کی دیگر کتب سیرت کا تھا۔ ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں۔ ''سیرۃ المصطفیٰ'' اپنی ٹکنیک' اسلوب بیان اور طرز فکر کے اعتبار سے ''اصح السیر'' حکیم عبدالرؤف دانا پوری سے خاصی مشابہت رکھتی ہے۔ حکیم صاحب اور مولانا ادریس نے غزوات نبویؐ کو اپنے ہاں زیادہ اہمیت

دی ہے۔ دونوں کو فقہی مسائل سے زیادہ دلچسپی ہے۔ دونوں نے اپنی اپنی تصانیف کی بنیاد احادیث نبویؐ پر رکھی ہے۔ دونوں اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ دونوں کو اس بارے کوئی دلچسپی نہیں کہ مغربی دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے کن کن غلط فہمیوں کا شکار ہے"۔

مولانا کاندھلوی نے علامہ حافظ ابن قیم اور علامہ زرقانی کی تقلید میں سیرت کے واقعات پر تبصرہ بھی کیا ہے اور موقعہ بہ موقعہ بعض لطیف حقائق و معارف کی طرف اشارے بھی کیئے ہیں۔ جن سے سیرت کا لطف دوبالا ہو گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ پرفتن دور میں ایسی کتب سیرت کی اشد ضرورت ہے۔ جسے پڑھ کر مسلمان آنحضرتؐ کے اسوہ مبارکہ کو مشعل راہ بنا سکیں۔

مولانا کا عاشقانہ روپ اور شان نبوتؐ پر فدا ہونا کتاب کی اہمیت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ سیرت کی یہ کتاب ان قارئین کیلئے از حد ضروری ہے جو عربی زبان سے نا آشنا ہیں لیکن عربی سیرت کتب پڑھنے کی آرزو اور خواہش رکھتے ہیں۔ سیرت المصطفیٰ اس کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ (25)

سیرۃ المصطفیٰ کے نام سے ایک اور کتاب مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کی ہے۔ اس کتاب میں کم وبیش واقعات سیرت وہی ہیں جو دیگر کتب میرت میں پائے جاتے ہیں۔ بعض جگہوں پر سر ولیم میور کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی ملتے ہیں۔ تاہم یہ کتاب ان روایات سے پرہیز کرتی ہے جو آنحضرتؐ کو فوق البشر ہستی بنا کر پیش کرتے ہیں۔

اسی مسلک کی ایک اور نادر کتاب مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ہے۔ جس کا نام "محمد رشی" ہے اس مصنف کی اس سے بھی بڑھ کر کتاب "مقدس رسولؐ" بہت بڑا رتبہ پا گئی۔ کیونکہ یہ کتاب راجپال نامی ناشر کی کتاب "رنگیلا رسول" کے جواب میں لکھی گئی

ہے۔ ''رنگیلا رسول'' میں ذات رسولؐ پر شرمناک حملے کیئے گئے ہیں۔ مولانا نے ان حملوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ (26)

مولانا ثناء اللہ پیغمبر اسلام کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتے تھے۔ ان کا قلم شمشیر ہمیشہ بے نیام رہتا تھا۔

سیرت نگاروں میں مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری نے نئے ڈھب سے کام کیا ہے۔ اس کتاب میں بعض ایسے ابھرتے ہوئے مباحث پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ جو کم از کم اردو زبان کی سیرت کی کتب میں مفقود ہے۔ اس کتاب میں جا بجا عارفانہ نکات اور سوز ودرد کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ عقلی مباحث اور نفسیاتی نکتے بھی درج ہیں۔ اس طرح پیغمبر انسانیت اپنی نوعیت کی ایک الگ کتاب ہے۔ اسے جو باتیں دیگر کتب سیرت سے ممتاز کرتی ہیں اس میں حضورؐ کا انسانی اقدار کو ایک خاص انداز میں اجاگر کرنا ہے۔ (27)

آخری کتاب کا ذکر کرنے سے قبل دو کتابوں کا ذکر نہ کیا گیا تو بات ادھوری رہ جائے گی۔ یہ دو کتابیں نعیم صدیقی کی ''محسن انسانیت'' اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''سیرت سرور دوعالم'' ہیں۔ محسن انسانیت آنحضرتؐ کو بنی نوع انسان کے ایک ایسے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے جس نے دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کیا۔

سیرت سرور عالم آنحضرتؐ کی سیرت وکردار اور آپکے ابدی پیغام کو جس خوبصورت اور عالمانہ انداز میں پیش کرتی ہے اسکی مثال دور حاضر کی کتب سیرت میں کم ملتی ہے۔

اس دور کی نمایاں کتابوں میں مفتی محمد شفیع کی آداب النبیؐ مولانا طاہر القادری کی در یتیم' عبدالماجد دریا آبادی کی خطبات ماجدی' مولانا ابوالکلام آزاد کی رسول رحمت' ڈاکٹر نصیر ناصر کی پیغمبر اعظم وآخر سید اسعد گیلانی کی رسول اکرم کی حکمت انقلاب' ڈاکٹر حمید اللہ کی عہد نبوی میں نظام حکمرانی ڈاکٹر خالد علوی کی انسان کامل اور پیر کرم شاہ

الازھری کی ضیاء النبی ہیں۔

عصر حاضر میں ضیاء النبی جہاں اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے وہاں محبت رسولؐ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی ہے۔ ضیاء النبی میں ابتدائی طور پر ایران' یونان' روم' مصر' ہندوستان' چین اور خطہ عرب کے ماحول اور معاشرتی خرابیوں کی عکاسی جس انداز میں کی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے کتاب کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پیر صاحب کی سیرت نگاری کی بنیاد محبت و عشق رسولؐ ہے اور اسے تحقیق کے مسلمہ اصولوں کے مطابق لکھا گیا ہے۔ اس سے فن تاریخ و سیرت نویسی کو حسن ملا ہے۔

یہ کتاب قدیم اور جدید ماخذ کا نچوڑ ہے۔ نیز سیرت نگاری کے ہر پہلو کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ سیرت جہاں زمانی ترتیب کی حامل ہے وہاں شمائل و اخلاق نبوی' موضوعاتی مطالعہ' ادب وانشاء کو اجاگر کرتی ہے۔ نیز اس میں سیرت نگاری کے جمالیاتی و تجزیاتی اسلوب کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ (28)

آخر میں عرض مدعا یہ ہے کہ سیرت النبیؐ پر لکھنے والوں کا شمار ناممکن ہے۔ دنیا کی لاتعداد زبانوں میں سیرت نگاروں نے آپؐ کی شخصیت' کردار' حیات و کمالات پر طبع آزمائی کی ہے۔ جو کوئی اس ہستی کی خوبی بیان کرتا ہے وہ یقیناً اپنا نام تا قیامت زندہ کر لیتا ہے۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ آج تک کی نمائندہ سیرت کی کتب کا اجمالی تعارف کرا دیں۔ لیکن یہ بات حتمی نہیں ہے کہ ہم نے سب کتابوں کا تعارف کرا دیا ہے کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سیرت کی ہر وہ کتاب جس میں ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ایک دفعہ آ گیا وہ قابل بیان اور قابل تبصرہ ہے۔ لیکن اس کارروائی میں یقیناً دفتر کے دفتر درکار ہیں اور یہ مقام اس بوجھ گراں کو اٹھانے کا چنداں متحمل نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس کتاب میں تمام مذکورہ کتب کا عکس پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (وما توفیقی الا باللہ)

فن سیرت نگاری کا اجمالی جائزہ

حوالہ جات

1- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، مطبع سعیدی، قرآن محل، کراچی، س ن، ج 1، (مقدمہ: ذیلی حاشیہ، ص 8-10)

2- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ، علم السیرۃ، ص 83

3- انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1989ء، ص 40

4- مارگیولیتھ، Muhammad and the Rise of Islam آکسفورڈ پریس، لندن، 1905، ص 3

5- شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، مقدمہ

6- شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کے سیرت نگار، مجلہ فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد، ص 89

7- تفصیل کیلئے دیکھئے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص 92-107

8- نثار احمد، ڈاکٹر، اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء، فکر ونظر (سیرت نمبر) 1991ء، ص 147

9- السہیلی، الروض الانف، مطبع الجمالیہ، مصر 1914ء، ص 3

10- نثار احمد، ڈاکٹر، اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء، ص 143

11- ہیکل، محمد حسین، The Life of Muhammad، اسلامی بک ٹرسٹ، کوالالمپور، 1993ء

12- حالی، مولانا الطاف حسین، حیات جاوید، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، 1971ء، ص 426

13- انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص 501
14- منصور پوری، رحمتہ للعالمینؐ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مقدمہ، ص 8
15- انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص 525
16- منصور پوری، مہر نبوت، ص 4
17- سید عبداللہ، ڈاکٹر، فن سیرت نگاری پر ایک نظر، فکر ونظر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1976ء، ص 13
18- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 2، ص 241
19- سید عبداللہ، ڈاکٹر، سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1994ء ص 14
20- اختر وقار عظیم، شبلی بحیثیت مورخ، تصنیفات، لاہور، 1968ء، ص 139
21- ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص 619
22- تھانوی، مولانا اشرف علی، حبیب خدا، مکتبہ عالیہ لاہور، 1978ء، مقدمہ
23- سید مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتمؐ، الفیصل غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، 1999ء، ص 2
24- انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص 639
25- محمد ظہیر الدین، محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات، تحقیقی مقالہ برائے ایم اے عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، 1974ء، ص 179
26- انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص 666
27- پھلواری، محمد جعفر شاہ، محمد پیغمبر انسانیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ 2 کلب روڈ لاہور، 1995ء
28- عبداللہ صالح، اردو ادب میں ضیاء النبیؐ کی منفرد خصوصیات، ضیائے حرم (ضیاء الامت نمبر) اپریل 1999ء، لاہور، ص 272

باب اول

پیدائش سے لڑکپن تک (Birth to Boyhood)

1- حضورؐ کی پیدائش سے قبل مکہ کی صورتحال:

(Situation of Makkah before the Birth of the Prophet)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانوں کی رہنمائی وہدایت کیلئے انبیاء کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد مصطفیٰؐ تک بروایت ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے۔ ان انبیاء میں جو بات مشترک تھی وہ اللہ کی وحدانیت کی تعلیم، رسالت پر حقیقی ایمان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اعتقاد تھا۔ ان انبیاء میں کچھ نبی ایسا مقام حاصل کر گئے کہ ان کے نام تاریخ اور مقدس کتابوں میں آج تک محفوظ چلے آ رہے ہیں اور یہ کہ ان کے نام سے مذاہب کا لاتناھی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کا ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ یا حضرت محمدؐ نے ایک دوسرے سے مختلف پیغام نہیں دیا بلکہ وہ ایک ہی پیغام تھا جس کے یہ علمبردار تھے۔

ایک ہی دین تھا جس کا اظہار انہوں نے اپنے اپنے وقت میں کیا اور آخر اللہ نے یہ اعلان کر دیا کہ اسلام اللہ کا (آخری) پسند یادہ دین ہے جو (روز قیامت) اس دین کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار بن کر آئے گا اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہی وہ دین ہے جس کا آغاز اللہ نے اپنے پہلے بندے اور پہلے رسول حضرت آدمؑ

سے کیا تھا۔ اسی دین کا پرچار حضرت نوحؑ ، حضرت ھودؑ، حضرت صالحؑ ، حضرت ابراہیم ؑ، حضرت لوطؑ ، حضرت یعقوبؑ ، حضرت ایوبؑ ، حضرت یوسفؑ ، حضرت سلیمانؑ ، حضرت داوُدؑ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت ہارونؑ ، حضرت یوشعؑ ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے کیا۔ پھر اسی دین کو آگے چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے النبی الخاتم حضرت محمدؐ کا انتخاب کیا۔ انہیں عرب کے مرکزی شہر جہاں بیت اللہ واقع ہے جسے ام القریٰ، بکہ اور مکہ کہا گیا ہے میں مبعوث کیا۔ یہ وہ مکہ ہے جسکے بارے میں موسوی عیسوی اور محمدی شریعت کے جد امجد حضرت ابراھیمؑ نے اعلان کیا تھا کہ اے دنیائے انسانیت آ وُ! اور اس گھر کا طواف کرو (وليطوفوا بالبيت العتيق)(29:22)

محمدؐ عربی کی پیدائش کے وقت یہ گھر 360 بتوں کی الائشوں سے پاکیزگی کیلیئے پکار رہا تھا۔ اس وقت سرزمین مکہ اور اس کے گرد ونواح کے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور دینی حالات تنزلی کا شکار تھے۔ شراب، جواء، سود خوری، عورتوں سے ظالمانہ سلوک اس معاشرہ کے نمایاں خدوخال تھے۔

لڑکیوں کی پیدائش باعث عار سمجھی جاتی تھی۔ اُن کے اس دنیا میں آنے پر لوگ شرم کے مارے منہ چھپائے رکھتے اور بعض قبائل اُنہیں زندہ درگور کرنے میں بھی قباحت محسوس نہ کرتے۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

اذا الموءدة سئلت۔ بأيّ ذنب قتلت (8:81)

''جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کس جرم کی پیدائش میں قتل کیا گیا تھا''۔

اس کے علاوہ قحبہ گری کا پیشہ بھی عام تھا۔ لوگوں کا دوسری عورتوں سے تعلق ہونا کوئی برائی تصور نہ ہوتا۔ سب سے بڑھ کر قبیح عادت یہ تھی کہ باپ کی وفات کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا۔

"Such a miserable and abnoxious life were they leading before the advent of the final Messenger (P.B.U.H) who lifted them up from the depth of lowliness to the position of respect and dignity". (1)

غلامی کا رواج بھی عام تھا جس سے انسانیت کی تذلیل ہو رہی تھی۔ غلاموں کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ یہاں تک کہ غلام آزاد عورت سے شادی نہ کر سکتا تھا۔ اس دور کو دور ''جاہلیت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن یاللعجب! آج کا یورپی اور امریکی ''تہذیبی معاشرہ'' عرب کی کس معاشرتی برائی سے پیچھے ہے۔ شراب آج بھی عام ہے، عورتیں آج بھی سرعام دعوت نظارہ دیتی ہیں، جوئے خانے، نائٹ کلب، ڈانس گھر کس شہر میں واقع نہیں ہیں۔ لاٹری کے نام پر غریب کی دولت پر کس کس طرح ہاتھ صاف نہیں کیئے جاتے۔ عورت کو آزادی کے نام پر سرعام نچایا جاتا ہے اسے ''مس یونیورس'' کے نام پر عریانی اور فحاشی کی اتھاہ گہرائی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ کالے گورے کی تمیز اب بھی قائم ہے۔ سود معاشرے کی گھٹی میں موجود ہے۔ نظم معیشت کی بنیاد مارک اپ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کے دور جاہلیت اور آج کے تہذیبی معاشرے میں آخر فرق کیا ہے؟

جہاں تک اس وقت کے سیاسی حالات کا تعلق ہے۔

عرب معاشرہ قبائلی تھا۔ قبیلے کا سردار مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر سالوں لڑائیاں لڑی جاتیں۔ مولانا حالی نے اس کا نقشہ یوں کھینچا۔

''کبھی پانی پینے پلانے پہ جھگڑا، کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا''۔

تمام قبیلے تعصب کا شکار تھے اپنے قبیلے کے فرد کی حمایت کا تصور عام تھا خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ یہ کہاوت زبان زد خلق تھی۔

"Stand by your brother, be he the oppressor or the oppressed".

جنگجویانہ عادات کا حامل یہ معاشرہ لڑائیوں کو بطور تفریح لیتا ایک فرد اپنے گھوڑے کو اس لئے پالتا کہ وہ اپنی بہادری کے جوہر دکھائے گا۔ وہ دعا مانگتا ہے۔

"May a war break out among the tribes, that I may get a chance to show the worth of my colt and sword". (2)

جہاں تک قبائلی عصبیت کا تعلق ہے تو وہ آج بھی دنیاوی معاشروں کا جزو لاینفک بنی ہوئی ہے۔ محمد عربیؐ اس عصبیت کو ختم کرنے آئے لیکن صد افسوس کہ ان تعلیمات کو ماننے یا نہ ماننے والے تعصب، وطنیت، رنگ ونسل کی تفریق کا شکار ہیں۔ دنیا دو ہولناک جنگیں وطنیت اور نسلیت کی آڑ میں بھگت چکی ہے اور تیسری کی تیاری کر رہی ہے۔

مذہبی طور پر عام عرب دین ابراہیم کے پیروکار تھے۔ دیگر بت پرست تھے۔ خانہ خدا 360 بتوں سے مُزین تھا۔ لات ومنات، ھبل وعزیٰ بڑے بڑے بت تصور ہوتے، ھبل بت کو متعارف کرانے والے بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی تھا جو ملک شام سے اس بت کو لایا تھا اور خانہ کعبہ کے اندر نصب کیا تھا۔ (3) منات بحر احمر کے ساحل قدید کے قریب مثلل میں نصب تھا۔ (4)

طائف کے مقام پر لات نامی بُت موجود تھا۔ وادی نخلہ میں عزیٰ کی نمائش کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی بت بھی تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت خانہ خدا کو بتوں سے پاک کر دیا۔

عرب اپنے بتوں کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت انہیں اللہ کے

قریب کر دیں گے۔قرآن کے الفاظ میں ان کا خیال یہ تھا کہ ''ہم ان کی عبادت محض اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں'' (3:39) وہ کہتے کہ ''یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں''۔ (18:10) تاہم وہ بیت اللہ کا طواف کرتے، حج وعمرہ کرتے اور قربانی کرتے مہمانوں کو کھانا کھلاتے ان کی تکریم کرتے، یہ لوگ توہم پرستی کا شکار بھی تھے۔ مثلاً احرام کی حالت میں پنیر اور گھی نہ بناتے۔ جن کپڑوں سے (احرام) طواف کرتے انہیں دوبارہ استعمال نہ کرتے۔ حالت احرام میں گھر کے پچھلے حصے سے داخل نہ ہوتے۔ ان تمام خرافات کا اسلام نے خاتمہ کیا۔لیکن افسوس آج ہمارا پاکستانی معاشرہ طرح طرح کی بدعتوں اور توہمات کا شکار ہے۔کیا پھر آج پیارے نبیؐ کے اسوہ کی ضرورت نہیں۔ بلیٰ (کیوں نہیں)

ملک عرب میں یہود بھی بستے تھے جو زیادہ تر یمن، خیبر اور یثرب کے علاقوں میں آباد تھے، ان کے قبائل نضیر، قریظہ، قینقاع بہت مشہور اور کٹر تعصب رکھنے والے تھے۔عیسائی یمن، نجران اور عرب کے سرحدی علاقوں میں آباد تھے رومی علاقوں کے اثر ونفوذ سے آل غسّان، بنوتغلب اور بنوطے کے قبائل میں عیسائیت پھیل چکی تھی۔

مجوسی مذہب اہل فارس کا تھا، یہ لوگ عراق، بحرین اور خلیج کے علاقوں میں آباد تھے۔

یہ مذاہب عرب میں کم وبیش پائے جاتے تھے۔ جہاں تک عرب سے باہر کے علاقوں کا تعلق ہے ان میں ہندوستان، چین اور متعلقہ علاقوں میں ہندو ازم اور بدھ ازم کی بنیادیں کافی مضبوط تھیں۔

ہندو مذہب نے انسانیت کو آج تک کچھ نہیں دیا۔ بُت پرستی، عقیدہ تناسخ وکرم، ذات پات، دیوتاؤں کی محبت، برہمن کی مذہبی اجارہ داری، فلسفیانہ موشگافیاں، نجات کے مختلف طریقے اس مذہب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ایک عرصہ تک ستی کی رسم

بھی اس مذہب میں مقبول رہی۔ عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ زندہ جلا دیا جانا معمول کا عمل تھا۔ عورت کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ شوہر کے ساتھ زندہ چتا میں جل جائے ورنہ معاشرہ میں اسکو کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ نیز ڈھول اور شہنائیاں بجائی جاتیں تاکہ بیوہ کی آواز ان آوازوں میں دب کر رہ جائے۔

ان تمام رسومات کے خلاف گوتم بدھ نے آواز اٹھائی۔ دیوتاؤں کے مقابلے میں ''لاادری'' کا نظریہ پیش کیا نفس کشی کے بعد حصول نروان (نجات) پر زور دیا۔ عورتوں کو کسی حد تک اپنی مذہبی روایات میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن گوتم کی وفات کو عرصہ نہ گزرا تھا کہ آپ کے ماننے والوں نے انہیں اعلیٰ روحانی ہستی یعنی ''خدا'' قرار دے دیا جس سے اس مذہب کی وہ اہمیت تو ختم ہوگئی جو اسے بدھ نے عطا کی تھی لیکن دنیا کی بیشتر آبادی آج بھی اس مذہب کی پیروکار ہے۔

عیسائیت اس سے آگے بڑھی اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے کر خدائی کا حصہ دار بنا دیا۔ عقیدہ تثلیث گھڑا گیا۔ کفارے کا عقیدہ پیش کیا گیا۔ تمام انسانوں کو خطاوار قرار دیا گیا۔ ان کے مقابلے میں یہودی اللہ کے بجائے خود رب بن بیٹھے، لوگوں پر اپنی مرضی چلاتے، ''اربابا من دون اللّٰہ'' کی تصویر پیش کرنے لگے، نیز قرآن کے الفاظ میں عزیر کو اللہ کا بیٹا تصور کرنے لگے۔

الغرض ''ظہر الفساد فی البر والبحر'' خشکی وتری میں فساد پھیل گیا۔

اس فساد سے لوگوں کو بچانے اور ایک دفعہ بلکہ آخری دفعہ اللہ نے اپنے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا تاکہ حق کا بول بالا کیا جا سکے۔ توحیدی پیغام لوگوں کو سنایا جا سکے۔ دین ابراہیمی پر وقت نے جو گرد ڈال دی تھی اس کو صاف کیا جا سکے۔ انسانیت جو ظلم وجبر واستبداد کا شکار تھی کو انصاف فراہم کیا جا

سکے۔ چنانچہ بی بی حاجرہ کے بیٹے اسمٰعیل کی نسل سے اللہ کا رسول منتخب ہوا جو دعائے ابراہیم کا نتیجہ تھا۔

محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا شجرہ نسب:

(Genealogical table of Muhammad)

''محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادبن بن سلامان بن عوص بن بوذ بن بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن اُرعوی بن عیض بن دلشیان بن عیصر بن افناد بن اُیہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مُزی بن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام (5)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد سے حضرت اسماعیلؑ کا انتخاب فرمایا پھر اسماعیلؑ کی اولاد سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا پھر قریش سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم سے میرا انتخاب کیا۔ (6)

حضورؐ کے آباؤ اجداد: (Forefathers of Muhammad)

حضورؐ کے جد امجد ہاشم بن عبد مناف حجاج کو پانی پلانے اور اُن کی میزبانی کرنے کا شرف رکھتے تھے اسے سقایہ اور رفادہ کہا جاتا ہے۔ سیرت نگاروں کے مطابق ہاشم وہ فرد تھے جنہوں نے قحط کی ماری ہوئی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو بھگو کر کھلائیں اور جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں کی بُنیاد رکھی۔ (رحلۃ الشتاء والصیف) کا اشارہ اسی طرف ہے۔

ہاشم نے مدینہ میں قبیلہ بنی نجار کی ایک خوبرو لڑکی سلمٰی بنت عمرو سے شادی کی۔ سلمٰی کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کے سر میں سفید بال تھے اس لئے اس کا نام شیبہ رکھا۔ یہ بچہ عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ عبدالمطلب نے اپنی قوم میں ایسی عزت پائی کہ آج تک کوئی ان کے مقام کو نہ پہنچ سکا۔

عبدالمطلب نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ انہیں چاہ زمزم آباد کرنے کے اشارے ملے ہیں انہوں نے کھدائی شروع کی اس کھدائی کے دوران تلواریں، زرہیں اور سونے کی چیزیں برآمد ہوئیں جن سے کعبہ کو مزین کیا گیا۔

آپ کی زندگی میں واقعہ فیل بھی رونما ہوا۔ ابرھہ نامی شخص نے کعبہ پر حملہ کی ٹھانی مگر اللہ نے اس کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ قرآن نے اس تذکرہ کو سورۃ الفیل میں بیان کیا ہے۔ الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل ......

کعبہ پر حملے کا واقعہ آنحضورؐ کی زندگی سے پچاس یوم قبل کا بتایا گیا ہے یہ واقعہ اظہار تھا اس بات کا کہ اللہ اب پھر اپنے ایک مقرب بندے کے ذریعے اپنے پیغام کو انسانیت کے نام بھیجے گا اپنی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کروائے گا۔ دنیاوی خداؤں پر ضرب کاری لگائے گا مکہ کی فضاؤں کو اللہ اکبر کے نعروں سے بار آور کرائے گا، اپنے گھر کو بتوں سے پاک کرائے گا مکہ کو اہل اسلام کا قبلہ قرار دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا دیکھو آج خانہ کعبہ کا طواف لاکھوں انسانوں سے دن رات ہو رہا ہے۔ ”لبیک اللھم لبیک“ کی صدائیں ہر وقت بلند ہیں۔ نور کی تجلیاں عام ہیں۔

اس وقت روم و ایران دو بڑی سلطنتیں دنیا کے نقشے پر موجود تھیں انہوں نے کعبہ کے واقعہ سے بڑا اثر لیا۔ آج وہ دن قریب ہے جب موجودہ طاقتیں امریکہ و روس بھی اسلام کی قوت سے مرعوب ہوں گی۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے ان میں عبداللہ سب سے زیادہ خوبصورت اور

پاکدامن تھے۔ عبدالمطلب نے ایک نذر مانی تھی جس میں ایک بیٹا قربان کرنا تھا۔ چنانچہ قرعہ فال عبداللہ کے نام نکلا، مگر عبداللہ کے ننھیال (بنی مخزوم) نے مشورہ دیا کہ اس کا کوئی اور حل تلاش کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ عرافہ نامی خاتون نے عبداللہ کے مقابلے میں دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کا مشورہ دیا اور کہا کہ جب تک عبداللہ کا نام نکلتا رہے دس اونٹ بڑھا دیئے جائیں۔ یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی اس طرح سو اونٹ ذبح ہوئے ان کا لقب ذبیح پایا۔ حضورؐ کا یہ ارشاد ہمیں کب بھولتا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ میں دو ذبیح کی اولاد ہوں ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے میرے والد عبداللہ"۔ (7)

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش (The Birth of the Prophet)

حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے ہوئی۔ حضرت آمنہ کا تعلق قبیلہ زہرہ کی شاخ سے تھا۔ جس وقت حضرت عبداللہ کی شادی ہوئی انکی عمر صرف 24 سال تھی۔ آپ بہت خوبصورت نوجوان تھے۔ شادی کے فوراً بعد آپکو تجارت کی غرض سے شام جانا پڑا واپسی پر آپ اپنے ماموں کے پاس مدینہ (یثرب) ٹھہر گئے۔ وہاں آپ کو بیماری نے آلیا اور اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت آمنہؓ اللہ کی مرضی سے حاملہ ہوچکی تھیں۔ حضورؐ کی پیدائش پر آپ کو دادا عبدالمطلب کے پاس بھیجا گیا جنہوں نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور پیارے پوتے کو کعبہ (بیت اللہ) لے گئے جہاں آپؐ کا نام محمدؐ (تعریف کیا گیا) رکھا۔ یہ نام عرب میں بہت کم لوگ جانتے تھے۔ حضرت محمدؐ کی پیدائش 12 ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی۔ اس بات پر اکثر مورخین کا اتفاق ہے جن میں ابن اسحٰق شامل ہیں۔ تاہم شبلی نعمانی نے پیدائش کی تاریخ محمود فلکی کے استدلال پر 9 ربیع الاول اختیار کی ہے یہ

عیسوی سال کے مطابق 20 اپریل 571ء ہے۔

محدث خطیب بغدادی کی ایک روایت ہے جسے ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اختیار کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندر کی تہوں میں لے جاؤ تاکہ تمام دنیا ان کے نام کو پہچان لے، جن وانس چرند وپرند، بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسماعیلؑ کی زبان، اسحٰقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی اطاعت، یوشعؑ کا جہاد، داوٗدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاک دامنی اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو''۔ (8)

شب ظلمت کے ہنگاموں میں گم تھی عقل انسانی
یکایک طاق کعبہ پر چراغ ہاشمی آیا
بشارت انبیاء دیتے رہے آدمؑ سے عیسےٰؑ تک
نبوت ناز فرماتی ہے جس پر وہ نبی آیا

محمدؐ کی پیدائش کے ساتویں دن ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا عرب کے بڑے بڑے سردار اس دعوت میں مدعو کئے گئے۔ محمدؐ نام رکھنے کی توضیح پیش کی گئی۔ عبدالمطلب نے کہا ''میں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ میرے پوتے کی اللہ کی طرف سے آسمانوں اور زمین میں تعریف کی جائے گی''۔ عرب کے رواج کے مطابق پیدائش کے آٹھویں دن حضورؐ کو دایہ حلیمہ سعدیہ کے حوالے کر دیا گیا تاکہ وہ شہر سے دور رہ کر آپ کی پرورش کا اہتمام کریں۔ حلیمہؓ کے بیانات ہیں کہ حضورؐ کو اپنی شفقت میں لینے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کا گلہ (ریوڑ) خوب موٹا ہو گیا ہے اور اس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اور یہ کہ اس کے اردگرد خوشحالی نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔

حضرت حلیمہؓ نے آپ کو دو سال ابتدائی طور پر دودھ پلایا۔ دو سال بعد آپ کو مکہ واپس لایا گیا مگر مکہ ان دنوں ایک وبا کی لپیٹ میں تھا۔ مورخین متفق ہیں کہ حضورؐ کو مزید تین سال صحرائی زندگی میں رکھ کر پروان چڑھایا گیا۔

آنحضورؐ نے یہاں عربی زبان اس کی خاص شکل میں سیکھی اور جب آپ بڑے ہوئے تو کہا کرتے۔ انا افصح العرب (عربُکم)

"I am the most arab (most eloquent) among you, for I am the tribe of Quraish and I have been brought up among the tribe of banu sad ben bakr". (9)

اور سینہ کھل گیا:

(The story of Splitting Muhammad`s Chest)

شق صدر کا واقعہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ اس قسم کے واقعات کا منعقد ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ گزشتہ انبیاء کی کہانیاں اس قسم اور اس قسم کے دیگر واقعات (معجزات) سے بھری ہوئی ہیں۔

جب حضورؐ اپنی زندگی کے تیسرے سال میں تھے تو دو فرشتے سفید لباس میں ملبوس ہو کر آئے انہوں نے آپؐ کے سینہ اقدس کو چاک کیا اور بقول حضورؐ۔

"Two men dressed in white come up to me, laid me down, opened my abdomen and took something I know not what away". (10)

اس کہانی کی بنیاد جو قرآن مجید سے ملتی ہے وہ یہ ہے۔

الم نشرح لک صدرك O ووضعنا عنک وزرك O الذی انقض ظهرك، ورفعنا لک ذكرك (94:1-3)

اس پیغام میں سینہ (دل) کی تطہیر کا ذکر ہے تاکہ وہ قرآنی پیغام کو بآسانی سمجھ سکے اور اس سے نبوت کے بوجھ کو ہلکا کیا جا سکے۔

اس طرح اللہ اپنے بندوں کی ضرور مدد کرتا ہے۔ لیکن دوسری طرف آزمائش میں بھی ڈالتا ہے۔

ماں اور دادا رخصت ہو گئے:

(The Death of his Mother and Grand Father)

حضورؐ کی والدہ آمنہ نے مدینہ کا رختِ سفر باندھا تاکہ آپؐ کو آپ کے ماموؤں سے متعارف کرایا جا سکے اور آپ کے والد حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کرائی جا سکے۔ اس سفر میں حضرت عبداللہ کی ملازمہ اُم ایمن بھی شریک ہوئیں۔ مدینہ میں آپ کی والدہ کا قیام ایک ماہ تک رہا۔ اس دوران حضورؐ نے دنیا کی محبت یعنی اپنے ماموؤں کی رفاقت بھی محسوس کی اور دنیا سے بے رغبتی بھی جو آپ نے یقیناً اپنے والد کے بارے میں سوچ کر محسوس کی ہوگی۔ واپسی پر ابواء کے مقام پر آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ (11) حضورؐ پہلے ہی والد کی محبت سے محروم تھے اب آپ کو والدہ کی شفقت اور محبت سے دور کر دیا گیا۔ اس غم کو یقیناً آپ نے اکیلے برداشت کرنا تھا اور دنیا کی بے ثباتی کو سوچنا تھا۔ ابھی غم کے بادل چھٹے نہ تھے کہ دادا بھی رخصت ہو گئے۔

آپؐ کے دادا کی وفات آپ کے لئے ایک بہت بڑا صدمہ تھی۔ از حد شفقت کرنے والے دادا آپ کو 8 سال کی عمر میں ہی چھوڑ کر دوسری دنیا میں جا بسے۔ وہ دادا جس نے آپ کا نام محمدؐ رکھا، وہ دادا جو کعبہ کے باہر اپنے Cushin پر بیٹھ کر آپؐ کی پیٹھ پر پیار سے تھپکی دیتا، وہ دادا جس نے آپ کو دنیا بھر کا پیار دیا، آخر اپنی زندگی کی 80 بہاریں دیکھ کر رخصت ہو گیا۔ (12)

سفر شام اور فطرت کا مطالعہ:

(The Trip to Sham and the Study of Nature)

سفر شام آنحضورؐ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ بارہ سال کی عمر میں آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کی ہمراہی میں شام کا سفر کیا۔ شام کے جنوبی علاقہ بُصریٰ کے مقام پر ایک عیسائی راہب بحیرہ (Bahirah) سے ملاقات ہوتی ہے جس میں بحیرہ اصرار کرتا ہے کہ آپ کو شام کی زیادہ سیر نہ کرائی جائے مبادا کہ یہودی آپؐ میں موجود پیغمبرانہ صلاحیتوں اور نشانیوں کا اندازہ لگالیں اور آپ کو کوئی نقصان پہنچائیں۔

محمد عربیؐ نے اپنے اس سفر کے دوران فطرت کے حسین مناظر کا مطالعہ کیا۔ صحرا کی وسعتوں پر گہری نظر ڈالی، آب وہوا کی پاکیزگی کو محسوس کیا، مدین، وادی قرا اور وادی ثمود سے گزرے جس نے تاریخ کی ایک جھلک آپ کے سامنے کر دی۔ ان واقعات کو آپ نے عرب اور دیگر بادیہ نشینوں جو قافلے کے ہمراہ تھے ضرور سنا ہوگا۔ شام کی سرسبز وادیوں نے آپ کے ذہن کے دریچے کھولنے میں ضرور ایک کردار ادا کیا ہوگا۔ عیسائیوں، یہودیوں، بازنطینیوں اور پارسیوں کے واقعات بھی آپ کے گوش گزار ہوئے ہوں گے۔

سفر شام اور ملاقات بحیرہ بعض مُستشرقین کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے اور وہ اپنی تنگ ذہنی اور تعصب بھری نظروں سے اس واقعہ کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد بحیرہ سے علم سیکھنے پر رکھی۔ نعوذ باللہ من ذلک

یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ آپ کی اس وقت عمر صرف بارہ سال تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپؐ بلا کے ذہین اور مشاہدہ کی قوت سے مالا مال تھے۔ یاد رکھنے کی صلاحیت آپؐ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ محمدؐ عربی میں ابتداء ہی سے پیغمبرانہ صلاحیتیں موجود تھیں جس کی شہادت بحیرہ نامی راہب دے چکا تھا اور شق صدر کا واقعہ

اس بات کا مکمل ثبوت فراہم کرتا ہے اس طرح سفر شام بہت نتیجہ خیز ثابت ہوا۔

مکہ میں رہ کر بھی آپؐ نے عکاظ، مجافہ اور ذوالمجاز جیسے علاقوں کے دورے کیئے جہاں آپ نے "معلقات" اور "مذاہبات" جیسی نظموں کو سنا۔ (13)

آپ نے ان میلوں میں عیسائی اور یہودی واعظین کی تقاریر بھی سنیں۔ یہ وہ ابتدائی تیاری تھی جو اللہ اپنے بندے سے بار امانت اُٹھوانے سے پہلے کروا رہا تھا۔ وہ اپنے بندے میں سچ اور جھوٹ میں امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر رہا تھا اس طرح عملی طور پر سچ کا ساتھ دینے کے واقعات کا ظہور ہوا۔ ان میں ذیل کا واقعہ ازحد اہم ہے۔

حرب فجار: *(The Fijar War)*

حرب فجار کو اس لئے حرب فجار کہتے ہیں کہ یہ حرام مہینوں (جن میں لڑائی منع ہے) میں لڑی گئی۔ قبیلہ ہوازن اور قریش میں یہ لڑائی تقریباً چار سال تک وقفہ وقفہ کی شکل میں ہوتی رہی۔ حضورؐ کے چچا قریش کی جانب سے شرکت کر رہے تھے اس لئے آپؐ بھی اپنے چچا کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے، اس طرح آپؐ کی شرکت عمل میں آئی اور آپؐ نبوت پر سرفراز ہوتے ہی اعلان کرتے ہیں۔

"قد حضرته مع عمومتي ورميت فيه باسهم وما احب اني لم اكن فعلت"

"میں خود بھی اپنے چچا کے ساتھ حرب فجار میں شامل تھا، اور میں نے اپنے ہاتھوں سے دشمنوں پر تیر برسائے اور مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں"۔ (14)

حلف الفضول (حضورؐ کا معاشرتی کردار):

(The Alliance of Fudul)

زبیر بن عبدالمطلب نے عبداللہ بن جدعان کی رہائش گاہ پر بنی ہاشم، بنی زہرہ

اور بنی تیم کے خاندانوں کو اکٹھا کر کے ایک دعوت کا اہتمام کیا اور فیصلہ کیا کہ قریش ہمیشہ ان لوگوں کا ساتھ دیں گے جن کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اس معاہدہ میں اللہ کے رسولؐ نے بھی شرکت فرمائی اور فرمایا۔

"I uphold the pact concluded in my presence when ibn judan gave us a great banquet. Should it ever be invoked, I shall immediately rise to answer the Call". (15)

حضور ﷺ کا لڑکپن گزر گیا:

(The Boyhood of the Prophet Ends)

ان واقعات کی بدولت آپ کا لڑکپن اختتام پذیر ہوتا ہے۔

اللہ کا رسولؐ ابتدائی ایام گلہ بانی کی صورت میں گزارتا ہے۔ جن کے پس پردہ جو محرکات ہیں وہ ایک طرف تو دنیاوی ضروریات کو پورا کرنا تھا دوسری طرف صحرا نوردی سے کائنات کی وسعتوں، گہرائیوں اور پنہائیوں کا علم حاصل کرنا تھا۔ ایک طرف آسمان کی تخلیق پر غور وفکر کرنا تھا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس کرنا تھا، ایک طرف اجرام فلکی، رات دن اور موسموں کے تغیر وتبدل کی کیفیات سے آگاہ ہونا تھا، دوسری طرف حملہ آوروں سے محفوظ رہنے کے طریقے سیکھنا تھا، حضورؐ نے ان ایام میں مادی زندگی کے برعکس روحانی اور زاہدانہ زندگی کو پسند کیا ہوا تھا۔ آپ کہا کرتے تھے۔ ”نحن قوم لانا کل حتی نجوع واذا کلت لا نشبع“

"We are a people who do not eat until we become hungry, a people who when sitting to eat would never eat their fill". (16)

حضورؐ کو اپنے پیشہ گلہ بانی سے بہت محبت تھی کیونکہ آپ کے لئے یہ باعث اطمینان تھا کہ انبیاء نے اس پیشہ کو اپنائے رکھا چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں۔

"God sent no prophet who was not a herdsman Moses was a herdsman, David was also a herds man".(17)

گلہ بانی کے علاوہ آپؐ تجارت کو بھی پسند فرماتے تھے۔ یہی تجارت آپؐ کی شادی کا سبب بن گئی۔

باب اول

پیدائش سے لڑکپن تک

1- Majid Ali Khan, Dr, ***Muhammad: The Final Messenger*** Dawa Academy, International Islamic University, Islamabad, 1983, P.33.

2- Nadvi, Abul-Hasan, ***Islam and the world,*** Islamic Research and publications, Lucknow, 1973, P.32.

3- مبارک پوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، 1998، ص 57

4- نجدی، عبدالوہاب، مختصر سیرۃ الرسولؐ، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، 1375ھ، ص 12

5- منصور پوری، سلمان، رحمۃ للعالمین، حنیف بک ڈپو، دہلی، ج 2، ص 14-17

حضور یہ سلسلہ نسب عدنان پر آ کر روک دیتے تھے، مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 39

6- مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص 40

7- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، 1936ء، ج 1، ص 151

8- ندوی، سید سلیمان، خطبات مدراس، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1926، ص 128

M. Hamidullah, Dr. ***Muhammad Rasulollah,*** Idera-e-Islamiat, Anarkali, Lahore, 1392 H, PP-23-24.

9- Haykal, M. Husain, ***The Life of Muhammad,*** Islamic-9 Book Trust, Kulalumpur 1993, P.52.

10- ایضاً

11- ابن ہشام، ج 1، ص 168

12- ایضاً

13- Haykal, ***The Life of Muhammad,*** P.55.

14- ایضاً

15- ایضاً

16- ایضاً، ص 58

17- ایضاً

باب دوم

شادی مبارک سے عمرؓ کے قبول اسلام تک

From Marriage of the Prophet to conversion of Umar

شادی مبارک: (Marriage)

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک نیا باب رقم ہوتا ہے۔ یہ باب آپؐ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہے۔ حضرت خدیجہؓ مکہ کی ایک مالدار خاتون تھیں انہوں نے اپنا مال ملک شام تجارت کی غرض سے بھیجنا ہوتا تھا اس سلسلہ میں وہ مختلف افراد کی خدمات حاصل کرتیں۔ اس دفعہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمات کو مستعار لیا گیا۔ واپسی پر جب زیادہ بکری منافع کم کے اصول پر عمل کرتے ہوئے منافع توقع سے بھی زیادہ آیا تو خدیجہؓ آپؐ کی دیانت، شرافت، معاملہ فہمی اور تجارتی سوجھ بوجھ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ حضرت ابوطالب آپ کے چچا کی طرف سے خدیجہ کے پیغام نکاح پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی۔ تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ حضورؐ کی عمر اس وقت 25 سال تھی جبکہ حضرت خدیجہ 40 سال کی تھیں تاہم آپؐ نے اپنی شفقت اور مروت میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ بطور مہر حضورؐ نے 20 اونٹ حضرت خدیجہؓ کو دیئے۔ (1)

اس شادی سے حضورؐ کی گھریلو زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ دو خاندانوں کے مل جانے سے نہ صرف آپؐ کی عزت، وقار اور مرتبہ میں اضافہ ہوا بلکہ بنیادی طور پر آپ فکر معاش سے آزاد ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو غور وفکر کا مکمل موقع فراہم کیا۔ تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپؐ نے مکی زندگی میں سماجی حیثیت سے کوئی کردار ادا نہ کیا۔

آپؐ لوگوں سے گھل مل کر رہتے، ان کے مسائل سنتے اور حل کی تجاویز فراہم کرتے۔ آپؐ انتہائی سنجیدہ اور باوقار شخصیت تھے آپؐ بے شمار امور کو سیاسی حکمت عملی کے تحت طے کرتے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور اس میں حجر اسود کی تنصیب کا معاملہ طے کرنا آپؐ کے سیاسی تدبر کا عملی ثبوت ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو: (Rebuilding of the Kaabah)

خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد، حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کی ثالثی کے فرائض باحسن طریقے سے ادا کرنا حضورؐ کی معاشرہ میں ایک اعلیٰ مقام ومرتبہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ واقعہ اس بات کا مکمل ثبوت فراہم کرتا ہے کہ آنحضورؐ مکہ کی نہ صرف معاشرتی بلکہ سیاسی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے۔ جب خانہ کعبہ کی دیواریں سیلاب کی تباہ کاریوں کی نذر ہوگئیں تو ان کو دوبارہ سے تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب تعمیر مکمل ہوئی تو حجر اسود کو رکھنے کا مسئلہ درپیش ہوا۔ مکہ کے قبائل میں سے ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسے حاصل ہو۔ اس سعادت کے حاصل کرنے کے لئے ہر قبیلہ نے قسم کھائی کہ وہ کسی دوسرے قبیلہ کو سبقت نہ لینے دے گا۔ بنی عبدالدار تو خون کا پیالہ بھر لائے اور اس میں ہاتھ ڈبو کر قسمیں کھانے لگے کہ وہ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھیں گے۔ تاہم ابو اُمیہ بن مغیرہ المخزومی کی رائے یہ تھی کہ جو کوئی ''صفہ'' کے دروازے سے صبح سویرے داخل ہو وہ ہمارا فیصلہ کرے پھر لوگوں نے دیکھا کہ ''الامین'' اُس دروازے سے داخل ہو رہے ہیں۔ حضورؐ نے سرداران قریش سے ایک چادر پھیلانے کو کہا پھر اس میں اپنے ہاتھ سے حجر اسود رکھا اور قبائل کے سرداروں سے کہا کہ وہ سب اس چادر کو اٹھائیں۔ اس طرح وہ حجر اسود کے رکھنے کی جگہ تک اٹھا لائے وہاں سے پھر محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر خانہ کعبہ کی مشرقی دیوار کے کونہ میں ثبت کر دیا۔ اس طرح خون کی ندیاں جو بہنے کو تیار تھیں ''جام'' ہو گئیں۔ مکہ والے اللہ کے

نبی کے فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔(2)

اس وقت کعبہ کی شکل چوکور ہے۔ اس کا ایک حصہ حطیم ہے جو Covered نہیں ہے۔ کعبہ کی بلندی 15 میٹر ہے۔ شمالی اور جنوبی دیواریں 10، 10 میٹر بلند جبکہ مغربی اور مشرقی دیواریں 12، 12 فٹ بلند ہیں۔ حجر اسود ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر نصب ہے۔

یہ اتنی خوبصورت اور دلکش عمارت ہے کہ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ بس اسے دیکھتا ہی رہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف کرتا رہے۔ اس عظمت کا اعتراف کرانے کے لئے اللہ کے رسولؐ غور وفکر کو بنیاد بناتے ہیں۔

غور وفکر کیلئے غار حرا کا انتخاب:

(The Choice of Cave Hira for Meditation)

غور وفکر کیلئے ایک پرسکون جگہ کا انتخاب ضروری ہوتا ہے۔ مکہ سے دو میل شمال کی جانب حرا نامی پہاڑ (جبل نور) کی چوٹی پر غار کا انتخاب آنحضورؐ کی عبادت، ریاضت اور غور وفکر میں ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ اس غار میں ابتدائی طور پر حضور اکرم ﷺ نے ہر سال رمضان کا مہینہ عبادت کیلئے وقف کر دیا۔ آپؐ نے زندگی میں جو تجربات حاصل کئے، جن لوگوں سے ملاقات کی، حالات وواقعات جنہوں نے آپؐ کو متاثر کیا، ان سب کو غور سے سوچتے اور سمجھتے۔ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر کائنات کی وسعت، آسمان، چاند، سورج، رات، دن، صحرا، سمندر، ہوا، بارش اور دیگر مظاہر فطرت پر غور وفکر کرتے۔ محمد عربیؐ حق اور سچ کی تلاش میں محو استغراق رہتے، کھانا پینا تک بھول جاتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جن پتھروں کی لوگ پوجا کر رہے ہیں وہ بولنے کی قوت سے محروم ہیں، وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہیں، معمولی سی بھی طاقت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہیں، ھبل، لات، منات، عزیٰ جنہوں نے مکہ کے لوگوں کی سوچ پر

پہرے بٹھائے ہوئے ہیں آج تک کسی کو ذرہ بھر نہ تو فائدہ پہنچا سکے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ پھر کیوں دنیا اندھا دھند ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔حضورؐ انسانی تخلیق کے بارے میں بھی سوچتے کہ آج یہ موجود ہے کل نہیں ہے اس کا خالق کون ہے، آسمان سے پرے کیا ہے، کیا یہ دنیا خود بخود چل رہی ہے یا اس کا کوئی صانع ہے، ہر سال رمضان میں اس قسم کے سوالات آنحضورؐ کی توجہ کا مرکز بنے رہتے۔

سیرت پر قلم اٹھانے والے متفق ہیں کہ آنحضورؐ نے اب سچے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔(3) اس طرح آپ کو بنیادی طور پر دنیا کی بے ثباتی واضح کر کے دکھا دی گئی۔ آپ کو یہ یقین آ گیا کہ لوگ معاشرتی و معاشی طور پر غلط راستے پر چل رہے ہیں اور یہ کہ روحانی طور پر ان کی تربیت کی اشد ضرورت ہے۔

آنحضورؐ جان گئے کہ اگرچہ یہودی اور عیسائی افکار میں سچائی ہے لیکن ان کی کتب تحریف و کتمان کا شکار ہو چکی ہیں، انہوں نے آسمانی افکار کو بدل کر دنیاوی خرافات کو اپنا لیا ہے۔ انہیں صحیح راستہ دکھانے کی ازحد ضرورت ہے۔ انہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ جس پیغام کو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ لیکر آئے تھے اب اس کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ آپؐ نے کہا:

حق یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اس نے یہ دنیا بنائی ہے، لہٰذا وہ دنیا کا مالک ہے وہ رحمٰن اور رحیم ہے اور یہ کہ انسان اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ جو ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اس کو پالے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ بھی اس کو پالے گا۔ جنت اور دوزخ حقیقت ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا رہنما اور عبادت کا مرکز تصور کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ ابدالآباد تک جہنم اور آگ ہے۔ یہ وہ ابتدائی خیالات تھے جو آپ کی تعلیم کا مرکز بنے۔ اور جن پر حضورؐ نے معاشرے کی تعمیر کی۔ اب آسمان کے دریچے کھلنے کا وقت آ گیا تھا۔

نبوت (پیغام حق نازل ہوتا ہے): (The Prophet hood)

محمد ﷺ جب اپنی زندگی کی 40 بہاریں دیکھ چکے تو آپ حق اور سچ کی حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو گئے۔ کیونکہ چالیس سال کی عمر کو پختہ عمر کہا گیا ہے۔

"An age of mature wisdom and perfect understanding when the animal part of man`s personality is receded, the youthful aspirations die out and his spiritual faculties start to gain the upper hand". (4)

ھیکل لکھتے ہیں کہ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حضورؐ کو یہ خیال بھی آتے کہ کہیں وہ کسی ''بدی کی قوت'' یا ''شیطانی خیالات'' کے شکنجہ میں تو نہیں آ گئے۔ ان کا اظہار وہ اپنی چہیتی بیوی خدیجہؓ سے کرتے تو وہ جواباً کہتیں کہ ''آپ الامین ہیں ''بدی کی قوتیں'' کسی بھی پختہ عقیدہ اور کامل اخلاق رکھنے والے شخص پر قابو نہیں پا سکتیں''۔ آپؐ یہ جواب سن کر مطمئن ہو جاتے۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن آپ غار حرا میں مصروف عبادت ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے: اقراء ''اے محمد پڑھیئے'' آپؐ نے جواب دیا ''مانا بقاری'' میں نہیں پڑھ سکتا۔ تین دفعہ سوال وجواب کا سلسلہ ہوا اس پر جبرائیلؑ نے کہا:

''اقرا باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔
اقراء وربک الاکرم الذی۔ علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم''
(3-1:96)

"Read in the name of your Lord, the creator, who created man of a clot of blood. Read! your Lord is

most gracious. It is he who taught man by the pen that which he does not know". (5)

یہ وحی سنتے ہی آپؐ گھبرا گئے انہوں نے ادھر اُدھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ محمدﷺ خوف کی حالت میں گھر پہنچے اور بیوی سے کہا "زملونی" مجھے کمبل اوڑھا دیں۔ طبیعت بحال ہونے پر بیوی کو سارا حال کہہ سنایا۔ بیوی نے تسلی دی۔

کہنے لگی "میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں آپؐ کو کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ آپؐ دوست اور رشتہ داروں سے اچھے تعلق رکھتے ہیں، محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، بیماروں کی تیمارداری کرتے ہیں اور حق کی طرفداری کرتے ہیں"۔ (6)

خدیجہؓ نے یہ معاملہ اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل سے Discuss کیا ورقہ جو کہ عیسائی اور یہودی کتب کا عالم تھا معاملہ سمجھ گیا اور کہنے لگا:

"Holy, Holy! By him who dominates warqah`s soul, if your report is true,O Khadijah, this must be the great spirit that spoke to Moses. Muhammad must be the prophet of this nation. Tell him that he must be firm". (7)

حضرت خدیجہؓ نے بات کو بھانپ لیا اور معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئیں۔ حضورؐ کا پہلی وحی کے بعد گھبرا جانا ایک معمول کی بات تھی کیونکہ کارِ نبوت کوئی آسان کام نہ تھا۔ بارِ امانت اٹھانا پھر اس امانت کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہنچا دینا ایک عظیم کام تھا۔ جو بلند حوصلے، جرات، اولوالعزمی اور ثابت قدمی سے ہی ادا کیا جا سکتا تھا۔ یہ تو پہلی وحی کی کیفیت تھی جو شدت پر مبنی ہونا ہی تھی آپ تو بعد از نبوت بھی جب وحی آتی تو حضرت عائشہؓ کی زبان میں اس کیفیت کا مظاہرہ کرتے۔

"Surely I saw him profusely sweating in extremely cold days, at the time when he recieved revelation". (8)

اور عبادۃ بن صامت کہتے ہیں کہ وحی آنے پر حضورؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور پسینہ سے شرابور ہو جاتے۔

محمد ﷺ کو یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کے برگزیدہ اور چنیدہ نبی ہیں۔

درس توحید و آخرت:

(The Call to Allah and the day of Judgement)

محمد ﷺ کو اللہ کی طرف سے پیغام ملا کہ!

یا ایھا المدثر قم فانذر (74:1-2)

"O you wrapped-up (in a mantle) arise and deliver thy warning. And glorify thy Lord; and keep the garments pure and clean (from stains); and flee every abomination". (Lxxiv: 1-5)

اس پر حضورؐ نے اپنی بیوی خدیجہؓ سے کہا: جرائیل میرے پاس دوبارہ آئے ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو آگاہ کروں کہ وہ ایک خدا کی عبادت کریں۔ اس آواز پر سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کرلیا۔ (9) لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کا مقصد یہ تھا کہ انسان سب سے قبل اپنے آپ کو پاک کرے اور تمام برائیوں سے علیحدہ ہو جائے۔ وہ تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کو صبر سے جھیلنے کیلئے تیار ہو جائے۔ انسانیت کو گمراہی سے بچانے کیلئے عملی جدوجہد کا آغاز کرے۔ اسے چاہئے کہ قرآنی فارمولے پر عمل کرے۔

فاما الیتیم فلا تقهر O واما السائل فلا تنهر O واما بنعمة ربک فحدث (93-11)

اب محمد ﷺ لوگوں کو کہہ رہے تھے اے لوگو! ایک خدا کی طرف آ جاؤ۔ کیونکہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اسے سجدہ کرتے ہیں وہ ایک حقیقت (سچ) ہے باقی سب باطل ہے۔ دل کو اس کی طرف مائل ہونا چاہئے۔ اسی پر ہمیں بھروسہ کرنا چاہئے اور یہ کہ اس دنیا سے بہتر آخرت کی زندگی ہے۔ (وللآخرة خیرلک من الاولی) محمد حسین ھیکل نے آخرت کی زندگی کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

"In the other realm, the soul becomes aware of all being as well as the unity of being; and in this unity space and time disappear and the needs and considerations of this realm are forgotten. It is in the other realm that the forenoon with it`s brilliant and dazzling sun, the night with its widespread darkness, the heavens and the stars, and the earth and the mountains all become one; and the spirit which enters into awareness of this unity is happy and felicitious, that is the life which is the objective of this life". (10)

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پیغام توحید پر آخر لوگوں نے کان دھرنے شروع کر دیئے۔

قبول اسلام: *(The Early Converts)*

ابھی ذکر ہوا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپؓ پہلے ہی سے حضور کے واقعات کو دیکھ رہی تھیں اور حق و باطل کی تمیز

کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ کر رہی تھیں۔ اس لئے جب اعلانیہ طور پر حضورؐ نے لوگوں کو توحید کی طرف بلایا تو آپؓ نے فوراً اسلام قبول کرلیا اور ہر مشکل حالت میں اپنے خاوند کا ساتھ دینے کا عزم کرلیا۔

نوجوانوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام کو سینے سے لگایا، آپؓ حضورؐ کے قریبی دوست تھے۔ اور مکہ میں کفاران قریش کے مقابلہ میں ایک اہم معاشرتی مقام کے مالک تھے۔ آپ کی صداقت اور محبت پر کوئی شک نہیں کرسکتا تھا۔

بچوں میں حضرت علیؓ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپؓ حضورؐ کے چچا کے بیٹے تھے۔ اور آپؐ سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ (11)

غلاموں میں حضرت زید بن حارثؓ کا نام نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لڑکیوں میں اُم ایمنؓ نے اسلام کی آواز میں اپنی ہاں ملائی۔

ابھی تک خفیہ تبلیغ کی جاتی تھی اور خفیہ طور پر لوگ اسلام قبول کر رہے تھے۔ السابقون الاولون میں عمار بن یاسرؓ، خباب بن الارتؓ، عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ارقمؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عثمان بن مظعونؓ اور صہیب الرومیؓ شامل ہیں۔ ان افراد پر مشتمل جماعت نے اسلام کی مضبوط بنیادوں پر عمارت تعمیر کی۔

طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی اسلام قبول کرتا تو وہ حضورؐ کے پاس حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اقرار کرتا اور حضورؐ سے کچھ ہدایات لیتا۔ بعد ازاں وہ اپنے اسلام کو چھپائے رکھتا۔ مسلمان مکہ کے مضافات میں جا کر اپنی عبادات بجا لاتے تین سالوں تک وہ ایسا کرتے رہے۔ اس دوران قرآن مجید کا نزول جاری رہا جس کی وجہ سے مسلمان قوم کا عقیدہ ایک خدا، ایک قرآن اور ایک رسولؐ پر پختہ ہوتا چلا گیا۔ وہ حضورؐ کی ہر بات پر عمل کرنا فخر سمجھتے۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ:

(The Best Example of Muhammad)

آنحضورؐ کی سیرت مسلمانوں کیلئے ایک بہت بڑی مدد کا کام دے رہی تھی۔ آپؐ کا جو معاشرتی اور معاشی رویہ تھا، اس کی وجہ سے لوگوں کا عقیدہ اور ایمان پختہ ہو رہا تھا۔ آپؐ بڑے رحمدل تھے، لوگوں کی دل وجان سے مدد کرتے تھے۔ بڑے متواضع تھے۔ عجز وانکساری کے حامل تھے۔ انصاف پسند اور محبت بھرے جذبات رکھتے تھے۔ کمزوروں، ضعیفوں اور یتیموں سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ مظلوموں اور بے کسوں کا سہارا تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ صادق اور امین تھے۔ آپؐ کے کردار سے مکہ کا ہر شخص مطمئن تھا۔ آپؐ ذرہ بھر کسی کو گزند نہ پہنچاتے۔ ہر فرد کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے۔ آپؐ معاملات کے کھرے انسان تھے۔

آپؐ نے زندگی ایسے طریقے سے گزار کر دکھائی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ آپؐ پر اعتماد کرنے لگے اب لوگ اپنی زندگی کو اسی رنگ میں دیکھنا پسند کرتے جس میں حضورؐ کی زندگی رنگی ہوئی تھی۔ مسلمان ایک طرف نئے دین کی طرف کھنچے آرہے تھے دوسری طرف لامحالہ اپنے آباؤ اجداد کے دین سے دور ہو رہے تھے جس کا مطلب قریش مکہ کی مخالفت مول لینا تھا۔ اس مخالفت کی قیمت انہیں بہرطور ادا کرنی تھی۔ مگر انہیں کوئی پرواہ نہ تھی۔ انہوں نے تقویٰ، دیانت، مہربانی، نرمی، محبت، اخلاص، حسن سلوک کا راستہ چن لیا تھا۔

ابتدائی طور پر جو لوگ مظلوم، بے سہارا، یتیم، بے کس وبے نوا تھے انہوں نے اسلام کے حق میں نعرہ تکبیر بلند کیا۔ بعینہ اسی طرح جس طرح حضرت عیسیٰؑ کی آواز پر مچھیروں اور غریبوں نے ساتھ دینے کا اعلان کیا تھا۔ سخت دل لوگ بھی ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے محمدؐ کی آواز کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال

دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ہر معاشرے میں دیندار لوگوں کی آوازیں اٹھتی رہتی ہیں اور پھر معاشرے کی آواز ان کی آواز کو دبا لیا کرتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام قبول کرنے والے افراد بھی واپس اپنے دین پر آ جائیں گے۔ وہ دوبارہ سے لات، منات، عزیٰ، ایساف اور ھبل کی پوجا کریں گے۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ محمدؐ نے جو دیا جلایا ہے اس کی لو سے نہ صرف جزیرہ عرب بلکہ پوری دنیا نے منور ہونا ہے۔ وہ تو اللہ کے آخری نبی ہیں ان کے پیغام نے رہتی دنیا تک کے لوگوں کو رہنمائی فراہم کرنی ہے۔ جوں جوں دنیا آگے کی طرف بڑھتی جائے گی۔ محمد عربی ﷺ کا پیغام مزید نکھر کر سامنے آتا جائے گا۔

اس پیغام کو محمدؐ نے سب سے قبل اپنے عزیز رشتہ داروں کو پیش کیا تا کہ لوگوں پر حجت قائم رہے۔ بعد ازاں اسے ساری انسانیت کے نام سے موسوم کر دیا اور فرمایا۔ یاایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً ۔ اے انسانو! میں تم سب (قیامت تک آنے والے) افراد کیلئے نبی مبعوث ہوا ہوں۔

اعلانیہ تبلیغ: *(Muhammad's Open Call)*

3 سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد آنحضورؐ کو اللہ کی طرف سے اعلانیہ تبلیغ کا حکم ملا۔ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو تنبیہ کے بارے یہ آیات نازل ہوئیں۔

وانذر عشیرتک الا قربین O واخفض جناحک ولمن اتبعک من المومنین O فإن عصوك فقل انی بری مماتعملون O وتوکل علی العزیز الرحیم (217-214:26)

"Warn, O Muhammad, your nearst relatives; Extend your gentle protection to those who follow your footsteps among the believers. As for those who disobey,

proclaim your repudiation of their doings. And put your trust on the exalted in might, the merciful.

اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس وحی کے نازل ہونے پر حکم خداوندی پر لبیک کہا۔ حوصلہ کرتے ہوئے اپنے قریبی رشتہ داروں کو کھانے کی دعوت دی۔ جس میں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت کا اظہار کر دیا گیا اس پر آپؐ کے چچا ابولہب سیخ پا ہوئے اور سب رشتہ داروں کو کہا ''چھوڑ و اس جگہ کو اور چلو اپنے گھروں کو'' حضورؐ نے اپنی آواز ان تک پہنچا کر کہا کوئی ہے آپ میں سے جو اس دین کی تکمیل میں میرا ساتھ دے۔ سیرت نگار متفق ہیں کہ ایک علیؓ نے جو کہ چھوٹا سا بچہ تھا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ ان کے الفاظ تھے ''اے اللہ کے رسول میں تمہارا مددگار بنوں گا۔ جو تمہاری مخالفت کرے گا میں اس کے ساتھ جان کی حد تک لڑوں گا''۔ سبحان اللہ کیا بہادری، عزم، ہمت اور حوصلے والے الفاظ ہیں۔ اس پر سارا کنبہ حیران وسرگردان وہاں سے روانہ ہو گیا۔ یہ پیغام واضح طور پر رسالت کی تصدیق تھی یہ نسلی اور قبائلی عصبیت کے خلاف ردعمل تھا۔ یہ اللہ کے کلام کی برتری کا اعلان تھا۔

ایک دن محمدؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اہل مکہ کو پکارنا شروع کر دیا۔ آپؐ کی آواز سن کر اہل مکہ جمع ہو گئے۔ اس پر حضورؐ نے لوگوں سے سوال کیا جو آپؐ کی فہم وفراست وسیاسی تدبر کا آئینہ دار ہے۔ آپؐ نے پوچھا اے قریش! اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمن آپ پر حملہ آور ہونے کو ہے کیا آپ میری بات کا یقین کر لو گے۔ لوگوں نے کہا کیوں نہیں آپؐ ''صادق اور امین'' ہیں یعنی آپؐ نے نہ کبھی جھوٹ بولا اور نہ کسی کی امانت میں خیانت کی۔ جب حضورؐ نے اپنی سچائی اور امانت کا اقرار کروا لیا تو اعلان کیا ''اے لوگو! میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں اس بات پر کہ اس دنیا وآخرت کا ایک خدا ہے، تم گواہی دو تو ایک خدا کے ہونے کی گواہی دو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں

تمہیں سخت عذاب کی نوید سناتا ہوں"۔

اس پر ابولہب نے سیخ پا ہو کر محمدؐ عربی کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ محمدؐ جو اللہ کو اتنے عزیز ہیں کہ ان کی چھوٹی سی تکلیف پر عرش بھی کانپ جائے، کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور کہا کہ کیا اس چھوٹی سی بات کیلئے آپ نے بنی عبدالمطلب، بنی عبدمناف، بنی زہرہ، بنی تیم اور بنی مخزوم کے سرداروں کو اکٹھا کیا۔ اس پر خداوند کا عرش جوش میں آیا اور ابولہب کو سخت سزا کا اعلان سنا دیا گیا۔

تبت یدا ابی لهب وتب O ما اغنیٰ عنه مالهُ وما کسب O سیصلی ناراً ذات لهب!(111:1-3)

Accursed be the hands of Abu Lahab and accursed may he be. Neither his property nor his wealth will save him. He shall burn in the flames of hell.

نبی علیہ السلام کا یہ اعلان کرنا تھا کہ قریش مکہ کی مخالفت بھڑک اٹھی اور ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کئی محاذ کھول دیئے۔

قریش کی مخالفت:*(The Hostility of Quraish)*

آنحضورؐ نے رشتہ داروں اور پھر اہل مکہ کے سامنے کھل کر اعلان حق کر دیا۔ اس پر ابولہب اور ابوسفیان جیسے سردار سیخ پا ہو گئے۔ انہوں نے مخالفت کے نئے نئے طریقے آزمانے شروع کر دیئے۔

سب سے قبل انہوں نے شعراء کے ذریعے محمدؐ، اس کے دین اور اس کے ساتھیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ محمدؐ سے ایسے معجزات کا مطالبہ کیا جن کے انکار سے نئے اسلام قبول کرنے والوں کو کچھ پس و پیش کا موقع مل جائے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ "کوہ صفا اور کوہ مروہ کو سونے میں کیوں تبدیل نہیں کیا جا

سکتا، اے محمدؐ یہ کتاب جو آپؐ پر نازل ہو رہی ہے بیک وقت کیوں نازل نہیں ہو جاتی، فرشتہ جبرائیل ہم سب پر عیاں ہو کر کیوں باتیں نہیں کرتا، اے محمدؐ آپ مردوں کو زندہ کیوں نہیں کرتے، اے محمدؐ آپ مکہ کے پہاڑوں کو کیوں پیچھے نہیں کرتے تاکہ جگہ کھلی ہو جائے، آپؐ ایسے کنویں کا بندوبست کیوں نہیں کرتے جسکا پانی زم زم سے بھی میٹھا ہو، آپؐ کا اللہ آپ کو مستقبل کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے کیوں مطلع نہیں کرتا تاکہ آپؐ کا اور ہمارا فائدہ ہو"۔ (12)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تمام سوالوں کا تسلی بخش جواب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو فراہم کر دیا۔ اور کہا کہ انہیں بتا دو! "میں تو اپنی جان کے بھلے بُرے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ اگر مجھے غیب کا اختیار ہوتا تو میں اپنے لئے بہت سے فوائد جمع کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ (اے گروہ قریش) میں تو صرف تمہیں ڈرانے اور خوشخبری دینے والا ہوں تاکہ تم یقین کر لو"۔

جب وہ باز نہ آئے تو حضورؐ نے جواباً قریش کے بتوں کو اپنے سخت جملوں سے نشانہ بنایا۔ آپؐ نے ان کی عبادت، ان کے آباؤ اجداد اور ھبل، لات، منات کو بلاواسطہ اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔

اس پر تیسرا طریقہ جو قریش نے مخالفت کا اختیار کیا وہ یہ تھا کہ ابوطالب، آپ کے چچا کو اس بات پر راضی کر لیا جائے کہ وہ محمدؐ کو ان کے مشن/ مقصد سے باز رکھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس طریقہ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ انہوں نے ابوطالب کو واضح کیا کہ آپؐ کا بھتیجا ہمارے بتوں کو بُرا کہتا ہے ہمارے مذہب کا مذاق اڑاتا ہے، آپ اسے روکیں، ورنہ ہم سے جو کچھ بن آئے گا ہم کریں گے۔

یہ ایک ایسی تدبیر تھی جس سے قریش سمجھتے تھے کہ انہیں شاید کوئی کامیابی مل جائے۔ لیکن حضورؐ کا جواب یہ تھا۔

''اے چچا اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اعلان حق سے باز نہ آؤں گا''۔

محمد ﷺ کا یہ جواب سن کر کفار مزید غیض وغضب کا شکار ہو گئے اور تکلیف دینے کے لئے نئے راستے تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ اب انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھیوں پر ظلم کا آغاز کیا۔

بلال حبشیؓ کو تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا، سخت دھوپ کی حالت میں سینے پر ایک بہت بڑا پتھر رکھ دیا جاتا۔ قصور یہ تھا کہ وہ اللہ کو ایک اور اس کے رسولؐ کو سچا نبی کہتے۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل حضورؐ کے گھر کے سامنے اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ پھینک کر آزار پہنچاتی۔ ابولہب نے حضورؐ پر کعبہ میں عبادت کی حالت میں بکرے کی اوجھری لا پھینکی۔

ایک عورت پر اتنا ظلم ہوا کہ وہ اس حالت میں اپنی جان کھو بیٹھی۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ دوسرے لوگوں میں سُمیہؓ، خبابؓ، عمار بن یاسرؓ، صہیبؓ اور ابوفکیہؓ (Abu Fakih) ظلم وستم کا نشانہ بنے۔(13)

جب تکالیف حد سے بڑھیں تو مسلمانوں کو بجانب حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

ہجرت حبشہ (5 نبوی):(Migration to Abysinia)

تاریخ اسلام میں ہجرت حبشہ پہلی ہجرت کے طور پر یاد کی گئی ہے۔ مکہ میں رہتے ہوئے جب مسلمانوں پر ظلم وتشدد شدت اختیار کر گیا تو حضورؐ نے اسلام کے پیروکاروں کو مکہ چھوڑ کر دنیا کے دوسرے علاقوں کا رخ کرنے کا اِذن عام دے دیا۔ جب انہوں نے کسی خاص علاقہ کی نشاندہی چاہی تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ جانے کا کہا جہاں کا نجاشی بادشاہ انصاف پرست مشہور تھا۔ مسلمانوں کو ایسے مقام کی ضرورت تھی جہاں وہ امن وسکون سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرسکیں پہلا

قافلہ جو ہجرت کے لئے روانہ ہوا 15 افراد پر مشتمل تھا جس میں 11 مرد اور 4 عورتیں شامل تھیں۔ وہ کچھ عرصہ حبشہ میں رہے۔ یہاں تک کہ انہیں خبر ملی کہ اب مکی مسلمان آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ قریش نے ان پر ظلم کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس خبر کی پیروی کرتے ہوئے وہ واپس مکہ کو سدھارے۔ لیکن یہاں پہنچنے پر انہیں مزید سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر مزید 80 آدمی ہجرت حبشہ کیلئے تیار ہو گئے۔ یہ لوگ حضورؐ کی ہجرت مدینہ تک حبشہ میں مقیم رہے۔

محمد حسین ھیکل یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آیا یہ ہجرت محض ظلم وستم سے بچنے کے لئے تھی یا پھر اسکے علاوہ اس کے عظیم دینی وسیاسی اغراض ومقاصد بھی تھے؟ کیا مکہ والے یہ محسوس کر رہے تھے کہ اس طرح مسلمان ایک دن زیادہ طاقتور ہو کر مکہ پر حملہ آور ہو جائیں گے۔

یقیناً مکہ والے مسلمانوں کے اس طرز عمل سے سخت پریشان تھے کہ انہوں نے فوراً ایک وفد ترتیب دیا جو تحائف سے لدا ہوا حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔ جس میں عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابوربیعہ جیسے نامور سردار شامل تھے۔

انہوں نے یہ کہتے ہوئے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا کہ! ''اے بادشاہ کچھ بے دین لوگوں نے آپ کے ہاں مکہ سے بھاگ کر پناہ لے لی ہے وہ اپنے آباؤ اجداد کے دین سے منحرف ہو گئے ہیں اور انہوں نے آپ کے دین (دین عیسوی) کو بھی تسلیم نہیں کیا ہے وہ ایک ایسے دین کے پیروکار ہیں جو نہ ہمارا ہے اور نہ آپ کا۔ ان کے سرداروں اور رشتہ داروں نے ہمیں بھیجا ہے کہ آپ انہیں واپس کر دیں۔ کیونکہ ان کے اور ان لوگوں کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کا خاتمہ وہ خود کریں''۔

نجاشی بادشاہ نے یہ باتیں سن کر جواب دیا کہ جب تک وہ مسلمانوں کی بات سن نہ لیں وہ انہیں واپس نہ کریں گے۔ اس پر انہوں نے مسلمانوں کو بلایا اور کہا کہ کیا

دین ہے جس کو آپ نے اختیار کیا ہے جو کہ میرے دین اور ادیان و مذاہب عالم سے مختلف ہے۔ اس پر مسلمانوں کی جانب سے حضرت جعفر بن ابی طالب اٹھے اور مخاطب ہوئے ''اے بادشاہ! ہم جہالت اور اخلاقی بے راہ روی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بتوں کی پوجا کر رہے تھے۔ سور کا گوشت کھاتے تھے، ہر قسم کی ناانصافی کرتے تھے ہم کسی رشتے دار اور ہمسائے کو عزت کا مقام نہ دیتے تھے۔ ہم میں سے طاقتور کمزور کو دبائے رہتا تھا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا (لقد من اللّٰه علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم) جس کا نسب شریف ہے جو سچائی کا علمبردار ہے جو اپنے لوگوں سے وفادار ہے اور تقویٰ میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اُس نے ہمیں ایک خدا کی عبادت کی طرف بلایا ہے اور کہا ہے کہ تمام بتوں اور پتھروں کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔ اُس نے ہمیں سچائی کا درس دیا، امانت داری اور وعدہ صفائی کا کہا، صلہ رحمی کا درس دیا اور رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آنے کو کہا۔ اس نے ہمیں مُردار اور حرام چیزوں سے بچنے کو کہا، اس نے زنا سے بچنے کی تلقین کی، جھوٹی گواہی دینے سے اجتناب کرنے کو کہا، یتیموں کا مال غلط طریقوں سے کھانے سے بچنے کو کہا، بہتان تراشی سے منع کیا، اس نے صرف ایک اللہ کی عبادت کا کہا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے منع کیا، اس نے نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوۃ دینے کی تعلیم دی۔ ہم اس کا ہر کہا ماننے کو تیار ہیں لیکن ہمارے اہل شہر ان باتوں کو ماننے پر ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں، ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہیں، ان کے ظلم سے تنگ آ کر ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لے رکھی ہے، کیونکہ آپ انصاف پسند بادشاہ مشہور ہیں اور یہ کہ ہمیں یہاں آرام وسکون مل رہا ہے''۔ اس پر بادشاہ نے انہیں کہا کہ وہ کیا پیغام ربانی ہے جس کی بنیاد پر ایک نیا دین وجود میں آیا ہے اور جس کے آپ پیروکار ہیں۔

اس پر حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی کچھ آیات سنائیں یہ آیات حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں تھیں۔ بادشاہ کا سننا تھا کہ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو چھلک پڑے، دوسرے عیسائی جو موقع پر موجود تھے رونے لگے، بادشاہ نے اٹھ کر اعلان کیا ''یہ کلام تو وہی ہے جس کی صداقت پر ہم پہلے ہی یقین لا چکے ہیں میں آپ کو کبھی بھی مشرکین مکہ کے حوالے نہ کروں گا، ان دونوں مذاہب کا سرچشمہ ہدایت ایک ہی ہے''۔

عمرو بن العاص نے ایک اور کوشش کی جس میں بادشاہ کو کہا گیا کہ آپ ان سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں پوچھیں کیونکہ یہ حضرت عیسیٰؑ اور مریم کو ایک اور نظر سے دیکھتے ہیں۔ بادشاہ پھر ان کی باتوں میں آ گیا۔ مسلمانوں کو دوبارہ بلایا گیا جس پر پھر جعفر بن ابو طالبؓ نے تقریر کی اور کہا ''حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے، رسول اور روح تھے۔ اللہ نے جو حکم مریم کو دیا وہ اس کی بدولت پیدا ہوئے۔ نجاشی نے زمین پر لائن لگائی اور کہا کہ بے شک حضرت عیسیٰؑ اس سے زیادہ مختلف نہ تھے''۔(14)

حبشہ کی جانب ہجرت کر جانے والے مسلمان تقریباً 3 ماہ کا عرصہ وہاں رہے اس دوران حضرت عمرؓ بن خطاب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ قریش نے محمدؐ اور مسلمانوں کی مخالفت ترک کر دی ہے۔ اس پر مسلمان واپس مکہ کی جانب عازم سفر ہوئے لیکن مضافات مکہ مکرمہ آ کر انہیں معلوم ہوا کہ یہ مخالفت تو اور شدت اختیار کر گئی ہے۔ اس میں تو پہلے کی نسبت زیادہ سختی ہے اس پر کچھ مسلمان تو رات کی تاریکی میں مکہ داخل ہو گئے مگر ان میں سے کچھ واپس حبشہ سدھارے۔ یہ سوال بہر طور اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے کہ کیا واقعی عمر بن خطاب کا اسلام قبول کرنا حبشہ والوں کی واپسی کا سبب بنا یا کچھ اور؟ یہ وہ موقع ہے جس پر ابن سعد، ابن جریر طبری اور دیگر مسلمان مفسرین ایک ایسے واقعے کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے

جھوٹ اور شر انگیزی پر مبنی ہے جس نے مسلمانوں کے ان عقائد پر ضرب کاری لگائی جو ان کی تعلیمات کی بنیاد ہے۔

تلک الغرانیق العلی: (Those are the High Flyig Cranes)

عقیدہ توحید آنحضورؐ کی بعثت کا مقصد اولین تھا اگر قصہ غرانیق کا درست ہونا تسلیم کر لیا جائے (العیاذ باللہ) پھر اسلام کی تعلیمات چہ معنی دارد؟ مستشرقین کو اللہ ہدایت دے، یہ لوگ اسلام کے خلاف نفرت اور بیزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ انہوں نے اس کہانی کو سچ قرار دیا اور بار بار اپنی کتابوں میں اس کو موضوع بنایا۔ سلیمان رشدی نے بھی جو نام نہاد شہرت حاصل کی وہ اس کہانی کی رہین منت ہے۔ اس کہانی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ محمدؐ عربی کفار کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ چکے تھے وہ اس خواہش کا اظہار کرنے لگے تھے (العیاذ باللہ) کہ کوئی ایسی سورۃ نازل ہو جائے جو قریش سے مفاہمت کا سبب بنے۔ اس طرح ایک دن وہ خانہ کعبہ کے پاس چند قریش کے نوجوانوں کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ انہوں نے سورۃ نجم کی تلاوت کی۔

افرء یتم اللات والعزی O ومنوۃ الثالثہ الاخری

"Would you consider al-lat and al-Uzza, as well as manat, the third Goddess"?

تو اس کے بعد شیطان نے ان الفاظ کو ادا کیا (العیاذ باللہ نقل کفر، کفر نباشد)

تلک الغرانیق العلی O ان شفاعتھن لترتجی

"Those are the High flying Cranes. Their intercession will be sought".

اس بے بنیاد روایت کے مطابق جب آپؐ نے سورۃ نجم کی آیات ختم

کیں تو آپؐ نے سجدہ کیا اور قریش جو آپؐ کے ساتھ بیٹھے تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس پر قریش کے لوگوں نے اطمینان کا اظہار کیا اور کہنے لگے ''ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خدا ہی ہمیں پیدا کرتا ہے اور زندگی دیتا ہے اور یہ کہ وہی خوراک بہم پہنچاتا ہے لیکن ہمارے دیوتا ہماری سفارش کا باعث بنتے ہیں۔ اب جبکہ آپؐ نے اپنے دین میں ان خداؤں کو جگہ دے دی ہے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں''۔ اس طرح محمدؐ اور قریش میں جو جھگڑا چل رہا تھا وہ حل ہو گیا وہ لوگ جو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے واپس لوٹ آئے۔

محمد عربی نے جب یہ آیات تلاوت کیں تو حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ آیات تم نے کہاں سے حاصل کیں محمدؐ نے جواب دیا (شاید) میں نے وہ کچھ خدا کی جانب موسوم کر دیا جو مجھ پر نازل نہ ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیات نازل کیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"They have almost succeded in inducing you, under promise of their friendship, to attribute to us, against our command, that which we did not reveal to you. Had we not confimerd you in your faith, you might have been tempted and hence fallen under the inescapable punishment".

اس پر قریش نے پھر سے مخالفت شروع کی جبکہ محمدؐ نے اعلان برات کیا۔ یہ ہے ''شیطانی آیات'' کی کہانی جو سیرت نگار، تفسیر نگار اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں اور مستشرقین خوش دلی سے اسے قبول کرتے ہیں۔ یہ کہانی کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے یہ بات مسلمہ ہے کہ تمام انبیاء معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ اس طرح محمد عربی

بھی معصوم اور غلطی سے پاک تھے۔ ان سے اس قسم کی غلطی کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔ ایسی غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ابن اسحٰق جو کہ اولین سیرت نگار ہیں، اسے زندیقیوں کی اختراع قرار دیتے ہیں۔ اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، علامہ نووی نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے۔(15)

سر ولیم میور کے نزدیک یہ کہانی مسلمان مہاجرین کی حبشہ سے واپسی کا سبب بنی، حالانکہ عمرؓ کا قبول اسلام واپسی کی اصل وجہ تھی جس کی وجہ سے قریش کے سردار خائف ہو گئے تھے اور ان کے سروں کے سریے کمزور ہو کر ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کو خفیہ نہ رکھا انہوں نے نہ صرف اعلانیہ اسلام قبول کیا۔ بلکہ کھل کر خانہ کعبہ میں عبادت کی جس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی میں اضافہ ہوا اور یہی سبب مسلمانوں کی حبشہ سے واپسی کا بنا۔

اس کے علاوہ ان دنوں نجاشی کے خلاف ایک انقلاب اٹھ کھڑا ہوا جس کی وجہ سے نجاشی مزید مسلمانوں کی مدد کا ذمہ نہ اٹھا سکتا تھا دوسری طرف مسلمان اجنبی (Foreigners) ہونے کی وجہ سے نجاشی کی مدد نہ کر سکتے تھے اور پھر مکہ کے حالات سازگار نظر آ رہے تھے لہٰذا انہوں نے واپسی کی ٹھانی۔ اس طرح سر ولیم کا یہ اعتراض کوئی معنی نہیں رکھتا کہ مسلمانوں اور قریشیوں کا معاہدہ ان کی واپسی کا سبب بنا۔

یہ کہانی کئی روایات پر مبنی ہے۔ ہر روایت میں لفظ مختلف ہیں جو بذات خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ روایات بعض مخصوص وجوہات کی بنا پر گھڑ لی گئیں۔

"The multiplicity of the versions prove that the report itself is fabricted, that it had been fabricated by the Zindiqs, as ibn Ishaq had said earlier and that the

forgers had sought thereby to spread doubt of Muhammad and to attack his candidness in coveying the message of his Lord". (16)

اس کے علاوہ ایک اور ثبوت اس کہانی کے جھوٹ ہونے کا یہ ہے کہ سورۃ نجم کی اگر تلاوت کی جائے تو یہ الفاظ کہیں بھی فٹ (Fit) نہیں بیٹھتے اس طرح یہ قرآن کے نظم کے خلاف ہے قرآن کلام ربانی ہے اور اس میں ایک روانی ہے اور یہ الفاظ اس روانی کے خلاف ہیں۔

شیخ محمد عبدہ نے بھی اس کہانی کو reject کیا ہے۔ انکے نزدیک کلام عرب اور شعراء کے کلام میں ''غرانیق'' کا لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا۔ غرانیق ایک آبی پرندے کا نام ہے جو کالے یا سفید رنگ کا ہوتا ہے عرب اپنے خداؤں کو پرندوں سے تشبیہ نہیں دیتے تھے۔

عملی زندگی میں حضورؐ کا کردار یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نے ساری زندگی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ خدا پر ایسا بہتان عظیم کیسے باندھ سکتے تھے جو الفاظ اللہ نے نہیں کہلوائے۔ آپؐ کیسے کہہ دیتے اور پھر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے یہ کہانی نظریہ (عقیدہ) توحید کے منافی ہے۔ لہٰذا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کہانی کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور یہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ صادق ابراہیم عرجون نے اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ'' میں اس واقعہ کی ایک ایک روایت کو عقلاً اور نقلاً ناقابل اعتبار ثابت کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ''یہ ایک گھڑا ہوا افسانہ ہے جو ہر لحاظ سے باطل ہے۔ یہ اول و آخر جھوٹ ہے جسے گھڑنے والا کوئی احمق، جاہل، حاسد یا بے ایمان ہے۔ یہ افسانہ شیطان مردود نے اُس کے دل میں ڈالا ہے''۔ (17) مکہ ان چہ میگوئیوں کی زد میں تھا کہ حضرت حمزہؓ اور عمرؓ نے اسلام قبول کر کے حضورؐ کی ڈھارس بندھائی۔

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام: (Conversion of Hamzah)

حضورؐ کی نبوت کا چھٹا سال تاریخ اسلام میں نئے باب رقم کرتا ہے۔ آسمان ابر کرم بن کر برستا ہے اور آپؐ پر مہربانیوں میں اضافہ کرتا ہے اور مکہ کے دو بڑے لوگ اسلام کے پھیلانے میں اپنی زندگیاں نذر کر دیتے ہیں ان میں حضرت حمزہؓ کا نام نامی نمایاں ہے۔ آپؓ حضورؐ کے چچا تھے۔ قریش کے سرداروں میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ سیرت نگار یہ واقعہ اپنی کتابوں میں ضرور درج کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ کے ساتھ ابوجہل نے ناروا سلوک کیا اس پر حضرت حمزہؓ مشتعل ہو گئے وہ سیدھے ابوجہل کے پاس گئے اور ان کے سر پر شدید چوٹ لگائی اور حضورؐ کو اطلاع کی۔ آپؐ نے فرمایا: اے چچا! مجھے زیادہ خوشی اس بات سے ہوتی اگر آپ ایمان لے آتے۔ اس پر آپ نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ (18) اس اعلان سے مسلمانوں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ اعلان ان کے زخموں پر مرہم رکھ گیا۔ ان کی امیدیں بندھ گئیں۔ ان کی قوت میں اضافہ ہو گیا ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ دوسری طرف کفار کے حوصلے پست ہو گئے۔ وہ اپنے دانتوں میں انگلیاں دبانے لگے، ایک طرف متحیر اور حیران ہو گئے اور دوسری طرف اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالنے لگے اور مسلمانوں کی تکالیف میں اضافے کے نئے بہانے تراشنے لگے۔ ابھی وہ ایسا سوچ ہی رہے تھے کہ ایک اور واقعہ سامنے آیا جس نے سرزمین مکہ میں تہلکہ مچا دیا۔ فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ خانہ کعبہ کی گرد خود بخود جھڑ گئی۔ حضورؐ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک گئے۔ یہ تھا حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام (6 نبوی): (The Conversion of Umar)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ عمر بن الخطاب اور ابوجہل بن ھشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے

ذریعے سے اسلام کو تقویت پہنچا۔ (19) حضرت عمرؓ کی عمر جب 30 سال سے آگے بڑھی تو آپ کا جوشِ مخالفت اسلام میں بھی آگے بڑھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ محمدؐ عربی کو جس کا دین روز بروز بڑھ رہا ہے اور مکہ والوں کے لئے مشکلات کا باعث بن رہا ہے ختم کر دیا جائے۔ اس خیال سے گھر سے نکلتے ہیں کہ آج محمدؐ کا خاتمہ کر دیں گے۔

تلوار ہاتھ میں لی، ارادہ قتل باندھا، گھر سے چلے۔ ابھی منزل پر پہنچ نہ پائے تھے کہ راستے میں نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہو گئی۔ عمر کو غصہ کی حالت میں دیکھ کر پوچھ بیٹھے عمر! آج ارادہ درست نظر نہیں آتا۔ کہاں چلے ہو؟ جواب دیا: کہ قریش کا بوجھ ہلکا کرنے جا رہا ہوں ان کی طاقت جو پارہ پارہ ہو چکی ہے اس کو بحال کرنے جا رہا ہوں، خداؤں (بتوں) کی پرستش میں جو کمی آئی ہے اس میں پھر سے اضافہ کرنے جا رہا ہوں۔

اس پر نعیم کہنے لگے عمر! اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو، آ کیے تو اپنے بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس پر عمر اور سیخ پا ہو گئے۔ رخ کو بہن اور بہنوئی کے گھر کی طرف موڑ لیا۔ وہاں پہنچے تو قرآن مجید کے پڑھنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بہن سے پوچھتے ہیں کہ کیا پڑھ رہی ہو۔ مجھے دکھاؤ۔ جواب ملا: عمر تم ناپاک ہو یہ اوراق تمہارے حوالے نہیں کئے جا سکتے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے میاں بیوی دونوں پر تشدد کیا، بہن کے سر اور منہ سے خون کے دھارے بہہ نکلے، عمر کا دل پسیجنا شروع ہوا انہیں قرآن کے یہ الفاظ سننے کو ملے انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلاة لذكرى (14-1:20)

عمر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ جو کچھ غصہ دکھا چکے تھے اس پر ندامت

محسوس ہونے لگی۔ خیر کا پہلو غالب آ چکا تھا۔ روح کو سکون نصیب ہو چکا تھا۔ اب کیا تھا کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔ مکہ کے محلّہ صفا میں جا پہنچے، اجازت طلب کی، صحابہ نے سمجھا کہ شاید معاملہ خراب ہے مگر حضورؐ نے داخلے کی اجازت دے دی۔ فوراً کلمہ توحید پڑھا: لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (کوئی نہیں معبود سوائے اللہ کے محمد اللہ کے رسول ہیں) فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ مسلمانوں کو تحفظ کا احساس مل گیا اور کعبہ میں اعلانیہ نمازیں پڑھی جانے لگیں۔ (20) دعائے محمدؐ قبول ہوگئی۔ مکی زندگی کا ایک اور باب مکمل ہوگیا۔ دوسری طرف قریش نے مسلمانوں سے معاشرتی تعلق توڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

باب دوم

شادی مبارک سے عمرؓ کے قبول اسلام تک

1- مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 91

2- یہ واقعات ابن ہشام، ابن سعد، طبری، بخاری، زرقانی اور دیگر مصنفین نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیے ہیں۔

3- اول مابدا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحہ فی النوم
بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، المکتبہ الرحیمیہ، دیوبند 1387ھ، کتاب بدء الوحی

4- *Majid Ali Khan, Muhammad: The Final Messenger, P.69*

5- *Haykal, The Life of Muhammad, P.74*

6- شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 1991، ج 1، ص 133

7- *Haykal, The Life of Muhammad, P.77*

8- بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی

9- مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 108

10- *Haykal, The Life of Muhammad, P.80*

11- ابن ہشام نے مردوں میں حضرت علیؓ کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل کیا ہے۔ السیرۃ النبویۃ، ص 245

12- *Haykal, The Life of Muhammad, P86-87*

13- ایضاً،ص 89

14- ایضاً،ص 98

15- ان میں طبری، ابن ابی حاتم، موسی بن عقبہ شامل ہیں،
شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 1، ص 153

16- Haykal, The Life of Muhammad,P.111

17- عرجون، صادق ابراہیم، محمد رسول اللہ، دارالقلم دمشق، 1985ء اور دیکھئے
الازھری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1418ھ،
ص 631

18- Martin LIngs, (Abu Bakar Sirjauddin)Muhammad, Suhail Academy Lahore, 1983, P.58

19- ترمذی، مناقب عمر بن خطابؓ، ج 2، ص 209

20- ابن جوزی، تاریخ عمر بن خطابؓ، ص 11

باب سوم

مقاطعہ قریش سے بیعت عقبہ تک

From Bycott to the Covenant of Aqbah

مقاطعہ قریش (7 نبوی): (Boycott by Quraish)

قریش کو اپنی حکمت عملی تبدیل کرنا پڑی۔ کیونکہ ان کی طاقت میں یقیناً کمی واقع ہوگئی تھی۔ ان کو اب یقین ہوگیا کہ محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو نئے دین سے روکنا محال ہے۔ اب انہوں نے نئی حکمت عملی تیار کی جس میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے مقاطعہ شامل ہے ان سے شادی کرنا بند کر دی اور ہر قسم کے تجارتی تعلقات سے اجتناب کرنا شروع کر دیا، بلکہ ایک معاہدہ تیار کرا کے کعبہ میں لٹکا دیا۔ ان کا خیال تھا کہ بائیکاٹ اور مسلمانوں کو تنہا کرنے کی پالیسی شاید ان کو زیادہ نقصان پہنچائے گی۔ انہوں نے مقاطعہ کے عمل کو تین سال تک جاری رکھا۔ تین سال کا عرصہ کوئی کم عرصہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ عرصہ مسلمانوں کی آپس میں محبت اور خدا کے ساتھ مضبوط تعلق کا باعث بنا۔ اس طرح رسول اللہ کی سیرت سے صبر، شکر، ثابت قدمی، اولوالعزمی کا سبق ملتا ہے۔

یہ مقاطعہ اتنا طول پکڑ چکا تھا کہ قریش میں سے ایسے افراد نے اپنے قدم بڑھائے جو تین سالہ ظلم اور ناروا سلوک کو برداشت نہ کر سکے وہ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ وہ خود پیٹ بھر کر کھانا کھائیں، پانی پئیں، نئے کپڑے پہنیں۔ شادیاں رچائیں جبکہ محمدؐ اور آپ کے ساتھی بھوک و پیاس میں بلبلاتے رہیں۔ ہشام بن عمرو اور زہیر بن ابی اُمیہ اس کام میں آگے آگے تھے انہوں نے مطعم بن عدی، ابوالبختر ی بن ہشام اور زمعہ بن الاسود کو ساتھ ملا لیا اور ریہ مطالبہ کر دیا کہ معاہدہ ناانصافی پر مبنی ہے

ابو جہل کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اس معاہدہ کو ختم سمجھیں۔ خدا کا کرنا ایسا کہ دیمک نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا اس نے معاہدے کے الفاظ چاٹ ڈالے اور اب صرف یہ الفاظ باقی تھے۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ چنانچہ محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو اجازت مل گئی کہ وہ اس معاہدہ کو ختم سمجھ کر اپنا محاصرہ ترک کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے مکہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ خرید وفروخت شروع کی اور دیگر امور انجام دینے شروع کر دیئے۔ (1)

یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس معاہدہ کے ختم ہونے سے قریش کی معاندانہ سرگرمیاں ختم نہیں ہوئیں بلکہ ان کا رویہ پہلے جیسا شدید تھا۔

لیکن محمد رسول اللہ اپنی ذات اور کردار کے لحاظ سے سچے اور کھرے انسان تھے۔ وہ مشکلات، دکھ، تکلیف سہنے کے عادی تھے۔ یہ معمولی تکلیفیں ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ لا سکتی تھیں۔ سچائی ان کے پیغام کا محور تھی۔ ان کے اخلاق بلند تھے لیکن قریش نے اپنی مخالفت جاری رکھی۔

مخالفت کا نیا دور: (A new phase of Hostility)

قریش نے حضورؐ کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا آپؐ کی شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی، آپؐ کو دنیا، دولت اور عورت کا لالچ پیش کیا آپؐ کے ساتھیوں کو معاشی اور تجارتی میدانوں میں نقصان پہنچایا۔

آپؐ کے خلاف پروپیگنڈا کی مہم تیز کر دی غلط افواہیں پھیلانی شروع کر دیں۔ دھمکیاں اور جارحیت روزمرہ کا معمول بن گیا۔ عکاظ، مجانہ اور ذوالمجاز کے میلوں اور حج کے لئے آنے والے لوگوں کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ اب موقع آ گیا تھا کہ حضورؐ کو اپنی تبلیغ اور اپنے پیغام کو دوسرے لوگوں تک وسعت دینے کا کہا جاتا۔ چنانچہ حضورؐ کو اب پیغام ربانی آیا کہ تمام عرب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات بہم

پہنچاؤ۔ چنانچہ ترتیب یہ ہوئی سب سے پہلے گھر والے، پھر قریش اب مکہ سے باہر اور پھر ساری کی ساری انسانیت کو اللہ کا کلام سنانا تھا۔ تاکہ ثابت ہو جائے کہ آپ آفاقی پیغمبر تھے۔

کفار مکہ بھی باز آنے والے نہ تھے۔ ادھر نبی علیہ السلام نے اللہ کے پیغام کو عام کرنا شروع کیا ادھر قریش نے آپ پر جادوگر، ساحر، مجنون، دیوانہ اور فصاحت وبلاغت کے علمبردار ہونے کے الزامات چسپاں کر دیئے۔ انہوں نے حج کے لئے آنے والے لوگوں میں ایک پروپیگنڈا مہم شروع کی جس میں آپ کو جادوگر بتایا گیا اور بتایا گیا کہ محمدؐ ایسی زبان بولتے ہیں کہ لوگ خود بخود اپنے پرانے دین کو چھوڑ دیتے ہیں اس لئے لوگوں کو آگاہ رہنا چاہیے۔

قریش نے معاندانہ سرگرمیوں کے سلسلہ میں ایک اور طریقہ اختیار کیا جو سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ وہ نضر بن حارث کو میدان میں لائے جو اپنے آپ کو فارسی نبی بنا کر پیش کرتا۔ محمدؐ عربی جب لوگوں کو نیا دین بتاتے، انبیاء کے قصے سناتے، ابراہیمؑ، لوطؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ اور موسیٰؑ کی باتیں سناتے تو نضر اس کے مقابلے میں ایرانی مثالیں اور ایرانی قصے سناتا اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتا کہ جس طرح محمدؐ نے آپ کو پرانے قصے (اساطیر الاولین) سنائے ہیں اسی طرح میں نے بھی سنائے ہیں اور یہ کہ میرے قصے زیادہ حکایتی انداز رکھتے ہیں۔ قریش ان کے قصے یاد کرتے اور جگہ جگہ ان کو بیان کرتے۔(2)

ایک اور طریقہ جو مخالفانہ پروپیگنڈے کی انتہاء تھی وہ یہ تھا کہ حضورؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپؐ جب کبھی مروہ نامی محلّہ سے گزرتے تو ''جبر'' نامی عیسائی کی دکان پر ٹھہر جاتے اور اس سے کچھ باتیں کرتے اس پر قریش نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ قصے آپ کو ''جبر'' سناتا ہے۔ قرآن نے اس خطرناک پروپیگنڈے کا یہ جواب دیا۔

"We know they claim that the Quran is taught to him by another man. But the man whom they suspect is persian of tongue, where the tongue of this Quran is pure and clear Arabic". (Q.16-183)

کفار مکہ کی یہ خواہش رہی کہ محمد عربی کے دین کو جہاں جہاں سے زک پہنچے وہ راستہ اختیار کریں۔ طفیل بن عمر الدوسی اپنے قبیلہ سمیت مکہ منتقل ہو گئے قریش نے فوراً ان پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے انہیں خبردار کیا کہ محمدؐ کی باتوں میں نہ آنا وہ ایک ساحر ہے ایسا نہ ہو وہ تمہارے لوگوں اور تمہارے درمیان ایسی دشمنی ڈال دے جیسا کہ وہ مکہ کے سرداروں اور ان کے پیروکاروں میں ڈال چکے ہیں۔

طفیل بن عمر الدوسی کا قبول اسلام:

(Convertion of Tufail bin Umar al-Dusi)

طفیل ایک شاعر تھا اس نے سوچا کہ اگر وہ شاعر ہوتے ہوئے خیر و شر میں تمیز نہیں کر سکتا تو اس کی زندگی اور اس کی شاعری کا کیا فائدہ، کیوں نہ محمدؐ عربی کو سنا جائے وہ کیا کہتے ہیں۔ اس نیت سے وہ خانہ کعبہ گیا اور حضورؐ کی چند باتیں سن لیں اس سے اور اشتیاق بڑھا اس پر وہ ایک دن محمدؐ کے گھر جا پہنچا اور کلام ربانی سنانے کو کہا آپؐ نے اسے دین اسلام کی باتیں بتائیں جن کو وہ سن کر فوراً ایمان لے آیا اس کے نتیجہ میں اس کے قبیلے کے کافی لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور عیسائیوں کا وفد جو بیس افراد پر مشتمل تھا مکہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ (3) اس واقعہ سے مسلمانوں کو اخلاقی فتح نصیب ہوئی۔ جس کے نتیجے میں سرداران قریش حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہونا شروع ہوئے۔ حضورؐ کی زندگی میں درج ذیل واقعہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد واقعہ ہے۔

اسلام: دین مساوات (Islam: The Religion of Equality)

اسلام اللہ کا دیا ہوا دین بنیادی طور پر ہر انسان کی ہدایت کے لئے ہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ سرداروں، وڈیروں اور سرمایہ داروں کو قریب لایا جائے اور غریبوں، مسکینوں یا اندھوں کی پرواہ نہ کی جائے۔

سیرت النبیؐ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ ولید بن مغیرہ جس کا شمار رؤسائے قریش میں ہوتا ہے سے محو گفتگو تھے۔ امید تھی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائیں گے اس دوران ابن اُم مکتوم جو کہ نابینا صحابی تھے آپہنچے اور قرآن سننے کی خواہش کا اظہار کیا اور حضور کی توجہ چاہی۔ اس وقت حضورؐ ایسا نہ کر سکے بلکہ آپ کو اس نابینا کی مداخلت ناگوار گزری۔ حضورؐ کو غصہ آیا اور اٹھ کر چلے گئے بعد میں آپؐ کو احساس ہوا کہ یہ رویہ درست نہ تھا۔ اس پر قرآن مجید یوں نازل ہوا۔ عبس وتولّیٰ ......

"He frowned and turned aside, When the blind man approached him". (80:1-16)

اس واقعہ سے اسلام یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ سردار ہوں یا غریب پیغام ربانی سب کے لئے برابر ہے لہٰذا جو بھی اسے ماننے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ آگے آئے۔ آئندہ کے حالات بتاتے ہیں کہ حضورؐ کچھ عرصہ مزید پریشان ہوئے کیونکہ ان کے محسن چچا ابوطالب اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے، ان کا غم ابھی آپؐ بھلا نہ سکے تھے کہ آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ بھی رخصت ہوئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سال غم کا سال کہلایا۔ تفصیل یوں ہے۔

عام الحزن (10 نبوی): (The Year of Sorrow)

شعب ابی طالب میں تین سال محصور ہونے کے بعد جب مسلمان اپنے گھروں کو واپس آئے اور وہاں کے زخم ابھی مندمل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ دو عظیم

سانحات رونما ہوئے آپؐ کے چچا ابوطالبؓ جنہوں نے پوری عمر آپ کی ہمدردی ونصرت میں گزاری۔ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ (4) ابوطالبؓ کی وفات کا دکھ حضورؐ کی ذات کو تو ہونا ہی تھا کیونکہ انہوں نے ساری زندگی حضورؐ کی نگہداشت کی اور آپؐ کی حفاظت کی۔ قریش بھی آپ کی وفات پر پریشان تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ابو طالبؓ سنجیدہ انسان تھے وہ ان کے معاملات کو بھی سمجھتے تھے لیکن اب جبکہ معاملات عمرؓ اور حمزہؓ کے ہاتھ میں آ جائیں گے وہ تو سخت طبیعت ہیں اور قریش کیلئے مسائل جنم لیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ محمد عربی ان کے لئے کوئی ہمدردی کا پیغام دیں۔ حضورؐ نے واضح اعلان کیا کہ اگر آپ ایک خدا کی عبادت کریں اور تمام بتوں کو چھوڑ دیں تو آپ ہمدردی کے مستحق ہیں۔ اس پر قریش کہنے لگے کہ محمدؐ سے کوئی یقین دہانی کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔

انہی دنوں حضرت خدیجہؓ آپ کی پیاری زوجہ محترمہ انتقال فرما گئیں۔ (5) حضرت خدیجہؓ وہ خاتون تھیں جنہوں نے اوائل میں آپؐ کی ڈھارس بندھائی تھی، جنہوں نے محبت، نیکی، سچائی اور پختہ یقین کے ساتھ آپ کی مدد کا اعلان کیا تھا۔ اپنی زندگی اور اپنا مال آپ کے حوالے کر دیا تھا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی بدولت آپ کو حد سے زیادہ تقویت ملی اب وہ سہارا بھی چھن گیا۔

ان دونوں واقعات نے حضورؐ کی زندگی کو کتنا متاثر کیا ہوگا یہ تو وہی شخص بتا سکتا ہے جو اس صدمہ سے دوچار ہوا ہو۔ تاہم یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ان واقعات نے حضورؐ کے دل ودماغ پر گہرے اثرات مرتب کئے دوسری طرف قریش نے ایک دفعہ پھر اپنی توپوں کے رخ حضورؐ کی جانب کر دیئے۔

آپؐ کے اوپر مٹی پھینکنے کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ کے سر کو دھویا اور رونا شروع کر دیا کیونکہ فاطمہؓ کی ذات کے لئے بھی یہ

گہرے دکھ کا باعث تھا آپؐ ایک طرف اپنی والدہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے جاتا دیکھ چکی تھیں دوسری طرف قریش آپ کے والد کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے وہ یقیناً ناقابل برداشت تھا۔ کوئی بھی بیٹی اپنے والد کے ساتھ یہ ناروا سلوک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ واقعات ابوطالب کی وفات کی وجہ سے رونما ہو رہے تھے ورنہ ایسا ممکن نہ تھا۔ حضورؐ کہتے تھے۔

"By God Quraish never harmed me so much as after the death of Abu Talib". (6)

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ کچھ پریشان و غمگین دکھائی دینے لگے خولہ بنت حکیم نے آپؐ کے لئے مونس و غمخوار کی ضرورت کو محسوس کیا۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے شادی:

(The Marriage with Sudah)

خولہ آپؐ کی اجازت سے سودہ کے والد کے پاس گئیں انہوں نے کہا کہ سودہؓ سے دریافت کرلو۔ سودہؓ نے حامی بھرلی، وہ ابتدائے نبوت سے مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں شاید یہی وجہ ہے کہ انکا انتخاب کیا گیا تاہم دوسری وجہ اس شادی کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد گھر کا انتظام بہرطور کرنا تھا۔ کیونکہ حضورؐ کی بیرونی ذمہ داریوں سے کون ناواقف تھا۔ سودہؓ کا مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔ اس شادی پر ان کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو بہت ملال ہوا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور شادی کا سوگ منایا لیکن بعدازاں مشرف بہ اسلام ہونے پر وہ اس بیوقوفی پر اکثر افسوس کا اظہار کرتے تھے۔

اکثر سیرت نگار یہ کہتے ہیں کہ سودہؓ کی وجہ سے آیات حجاب نازل ہوئیں۔

(7) حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ ان کی پہلی بیوی ہیں تاہم بعض کا خیال

حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی ہے کہ وہ حضورؐ کی دوسری بیوی بنیں۔ گھریلو ذمہ داریوں سے یک گونہ اطمینان پا کر آپؐ نے مکہ سے طائف کی جانب سفر کیا۔ تا کہ مکہ سے باہر تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا جا سکے۔

سفر طائف (شوال 10 نبوی):(Journey to Taif)

مکہ کی وادیوں میں جب اسلام کی آواز پر لبیک کہنے والے لوگوں کی تعداد میں ایک معقول اضافہ رک گیا تو آپؐ نے خاموشی سے اپنے غلام زید بن حارثہؓ کو ساتھ لیا اور بجانب طائف روانہ ہوئے۔ اشراف ثقیف کو اسلام کی دعوت دی گئی لیکن انہوں نے اس پر کان نہ دھرے، بلکہ جواباً سخت الفاظ استعمال کئے، یہاں تک کہا گیا کہ ''اگر خدا تجھے پیغمبر بنانا چاہتا ہے تو وہ پردہ کعبہ چاک کر رہا ہے، کیا خدا کو پیغمبری کے لئے تیرے سوا کوئی اور نہ ملا'' ایسے الفاظ حضورؐ کے سینہ و دل کو چیرنے کے لئے کافی تھے۔ ظالموں نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ شہر کے اوباش لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے پتھر مار مار کر آپؐ کو لہولہان کر دیا۔ جب پیغمبر خدا بیہودہ اور آوارہ لوگوں سے پتھر کھا رہا تھا یقیناً اس دن ''فلک بھی رو رہا ہو گا''۔

وہ مرد آہن مایوس دل وشکستہ ہو کر حضرت یونسؑ کی طرح الٰہی پیغام کو چھوڑ کر اپنی راحت کا سامان پیدا کر سکتا تھا لیکن نہیں محمدؐ کی سختیوں میں روز بروز اضافہ ان کے کردار اور ان کی شخصیت کو اور پختہ بنا رہا تھا آپؐ نے پیغام ربانی کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے کسی مصلحت کی پرواہ نہ کی۔

"In Muhammad`s journey to Taif his greatness is amply seen. A single man whose own people not only looked down upon him, but had expelled him, leaves the city in the cause of God, and goes to a place of

unbelievers, and calls them to embrace Islam which shows that he had absolute faith in this mission". (8)

روایات کے مطابق آپؐ نے شہر کے قریب ربیعہ کے بیٹوں عُتبہ اور شیبہ کے باغ کی دیوار کا سہارا جا لیا۔ انہوں نے کمال مہربانی سے اپنے عیسائی غلام عداس کو انگور دیکر بھیجا۔ نبیؐ نے ان انگوروں پر اللہ کا نام لیا، عداس سمجھ گیا کہ یہ کلام اس بستی کے لوگوں کا نہ ہے مختصر بات چیت ہوئی، نبیؐ نے بتایا کہ یونس بن متی (Jonah son of Methew) اس کا بھائی (پیغمبر) تھا وہ نینویٰ کا باشندہ تھا اس پر عداس آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا، اس پر بعض روایات میں اس کے اسلام لانے کا قصہ ہے اور بعض میں کہا گیا کہ عتبہ اور شیبہ نے اسے کہا کہ اپنے ایمان کو بدل نہ ڈالنا۔ کیونکہ ''تمہارا ایمان اس کے ایمان سے بہر طور بہتر ہے''۔

واپس آتے ہوئے راستے میں وادی نخلہ میں جنوں کی جماعت سے ملاقات کا تذکرہ ملتا ہے۔ واذا صرفنا الیک نفراً من الجن کی آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے میرے نزدیک جنوں کا ایمان لانا خداوند قدوس کا انعام تھا اور تسلی کا ایک راستہ تھا۔ کہ اے محمدؐ! اگر انسانوں کی ایک جماعت نے تمہیں ٹھکرا دیا تو کیا! یہ لو جنوں کا ایک قافلہ تم پر لانے کو آ رہا ہے۔ اس طرح نوع جن کو آپؐ کے مطیع کر دیا گیا۔ دوسری تسلی حضرت عائشہؓ کی شکل میں ملی۔

حضرت عائشہؓ سے شادی (***The Marriage with Aisha***):

آپؐ نے اپنے پیغام کو پختہ کرنے اور معاشرتی مقام کو مضبوط بنانے کے لئے حضرت ابوبکرؓ صدیق سے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ مانگا جو قبول کر لیا گیا۔ 3 سال بعد یعنی گیارہ سال کی عمر میں حضرت عائشہؓ کی شادی حضورؐ سے عمل میں آئی۔

نکاح کے بعد مکہ میں حضورؐ کا قیام تین سال بتایا جاتا ہے۔ 13 نبوی میں

جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ آپ کے ساتھ تھے اطمینان نصیب ہونے پر عبداللہ بن اریقط کو بھیجا گیا کہ وہ عائشہ اور اسماء کو لے آئیں۔ حضورؐ نے زید بن حارثہ کو ساتھ بھیجا کہ ان کی اولاد حضرت فاطمہ، اُم کلثوم اور ان کی بیوی حضرت سودہؓ کو بھی لے آئیں۔ مدینہ پہنچ کر عائشہؓ سے ان کا نکاح ہوا اور 400 درہم حق مہر مقرر ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے کل 9 سال حضورؐ کی رفاقت میں گزارے۔ حضرت عائشہؓ کی فضیلت اتنی لکھ دینا ہی کافی ہے کہ دو جہانوں کے سردار نے آپ کی گود میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی شان میں آیات برات نازل ہوئیں۔ جو آج تک قرآن کی تلاوت کا حصہ ہیں۔

فقہی مسائل میں حضرت عائشہؓ کا عورتوں میں کوئی ثانی نہ تھا وہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت اور اداب وانساب میں ان کو کمال حاصل تھا۔ (9)

آج جو لوگ عورت کے مقام کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عورت گھروں میں بالکل مقید رہنے کی کوئی چیز ہے، اس کی آواز باہر تک نہ آئے۔ انہیں اسوہ عائشہؓ کو ایک دفعہ ضرور دیکھ لینا چاہیے۔

واقعہ اسراء اور معراج النبیؐ: (Al Isra wal Mairaj)

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ ...... لنریہ من آیتنا (1:17)

قرآن مجید واضح طور پر حضورؐ کے واقعہ اسریٰ کا تذکرہ کر رہا ہے۔ روایات کے مطابق آپؐ اپنے چچا کی بیٹی اُم ہانی کے گھر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے رات کی نماز پڑھی اور وہیں سو گئے۔ صبح اٹھ کر آپؐ نے اُم ہانی کو بتایا کہ "میں نے آپکے یہاں رات کی، نماز پڑھی پھر میں یروشلم گیا وہاں نماز پڑھی اب آپکے پاس میں نے صبح کی

نماز پڑھی ہے''۔ اُم ہانی نے کہا اے محمدؐ! ''یہ بات لوگوں کو نہ بتانا وہ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے اور نقصان پہنچائیں گے'' حضورؐ نے کہا بخدا میں یہ لوگوں کو ضرور بتاؤں گا کیونکہ یہ من وعن سچ ہے اس پر حضورؐ نے اس واقعہ کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر بیان کیا۔ لوگوں نے اس پر تعجب اور حیرانی کا اظہار کیا اور کہا کہ دیکھو محمدؐ اب کیسی باتیں کرنے لگے ہیں لیکن جب یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بتایا گیا انہوں نے جواباً کہا ''اگر محمدؐ نے یہ بات خود کہی ہے تو انہوں نے واللہ صحیح کہا ہے''۔ اس تصدیق کی وجہ سے صدیق لقب پایا۔(10)

رسول اللہ کو جسم مبارک سمیت براق پر سوار کر کے حضرت جبرائیل کی معیت میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی پھر آپؐ نے وہاں نزول فرمایا اور انبیاء کی امامت فرمائی اور بُراق کو مسجد کے دروازے کے کھونٹے سے باندھ دیا۔

اسکے بعد اُسی رات آپ بیت المقدس سے آسمان دنیا تک تشریف لے گئے۔ دروازہ کھلنے پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپؐ کو مرحبا کہا۔ سلام کا جوب دیا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اللہ نے آپ کو ان کے دائیں جانب سعادت مندوں کی روحیں اور بائیں جانب بدبختوں کی روحیں دکھلائیں۔

پھر آپؐ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے وہاں آپ کی ملاقات حضرت عیسیٰ بن مریمؑ سے ہوئی انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ وہاں سے تیسرے آسمان پر آئے اور حضرت یوسفؑ سے ملاقات کی، ان کو سلام کیا جواباً انہوں نے بھی آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر چوتھے آسمان پر لے جایا جاتا ہے۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی سلام جواب ہوا انہوں نے آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا، وہاں ہارون بن عمرانؑ کو سلام کیا اور انہوں نے جواباً نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپؐ چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے وہاں آپؐ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے ہوئی آپؐ نے سلام کیا انہوں نے مرحبا کہا اور نبوت کا اقرار کیا۔

اس کے بعد آپؐ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپؐ کی ملاقات ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپؐ نے انہیں سلام کیا، جواباً سلام ہوا اور مبارکباد ملی اور نبوت کا اقرار ہوا۔

اس کے بعد اللہ کے رسول سدرۃ المنتہیٰ پہنچے جہاں جبریل نے جواب دے دیا۔ اقبال نے کیا خوب کہا۔

جلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

بیت معمور کو آپؐ پر ظاہر کیا گیا خدائے لم یزل کے دربار میں رسائی ہوئی۔

پس آپؐ ”فکان قاب قوسین او ادنی“ کی تصویر بن گئے، اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی جو کی ابتدائی طور پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ حضورؐ وہاں سے واپس حضرت موسیٰ کے دربار تک پہنچے جہاں نمازوں کی تخفیف کا معاملہ ہوا یہاں تک کہ بارگاہ ایزدی میں بار بار کی رسائی کے بعد پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام ان میں بھی تخفیف کروانا چاہتے تھے لیکن حضورؐ نے فرمایا ”اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے“۔ (11)

جہاں تک اللہ سے قربت یا ملاقات کا تعلق ہے اُمت مسلمہ کے اولی الابصار اس میں دو آراء رکھتے ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل سے قربت ہے، دوسری رائے میں رب تبارک وتعالیٰ سے قربت ہے۔ میری رائے میں یہ قربت رب العالمین سے ہے کیونکہ جبرائیل سے تو قربت آپکو پہلے بھی نصیب تھی۔ (واللہ اعلم)(12)

جبرائیل تو آسمانوں تک لے جانے والے تھے جبرائیل نے تو سدرۃ المنتہیٰ سے آگے

جانے سے انکار کر دیا تھا جبرائیل تو آپ پر وحی لا چکے تھے پھر جبرائیل سے ملاقات چہ معنی دارد؟

ان تفصیلات کے علاوہ جن باتوں کا ذکر ملتا ہے ان میں آپؐ پر شراب اور دودھ پیش کیا گیا آپؐ نے دودھ پسند فرمایا۔ آپ کو جنت وجہنم بھی دکھائی گئی۔

جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں ان کے ہونٹ اونٹوں کی طرح لٹکے ہوئے دکھائے گئے۔ سود خوروں کے پیٹ بہت بڑھے ہوئے دکھائے گئے جو ہل نہیں سکتے تھے۔ زنا کاروں کو دکھایا گیا کہ وہ تازہ گوشت چھوڑ کر چھیچڑے کھا رہے ہیں۔ بدکار عورتوں کو دکھایا گیا جنکے سینوں میں بڑے بڑے ٹیڑھے کانٹے چبھوئے ہوئے تھے اور انہیں آسمان وزمین کے درمیان لٹکایا گیا تھا۔ راستے میں اہل مکہ کا ایک قافلہ دکھایا جن کا ایک اونٹ بدک گیا تھا۔ واپسی پر یہی واقعہ معراج کی تصدیق کی ایک دلیل بنا۔(13)

تبصرہ:(Comments)

واقعہ اسراء اور معراج ایک طویل بحث کا متقضی ہے۔ سیرت نگاروں نے اس پر اپنی اپنی بساط کے مطابق آراء دی ہیں۔ ابن ہشامؒ اور ابن قیمؒ نے جو روایات درج کی ہے وہ کافی طویل اور حیران کن ہیں لیکن ایک بات طے ہے کہ اس قسم کے واقعات کا پیش آنا کوئی ناممکن بات نہ ہے۔ آج سائنس نے یہ ثابت کر دیا کہ آواز، تصویر، تحریر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک سیکنڈ میں پہنچانا معمولی بات ہے۔ واقعہ کو چاہے جسمانی رنگ دیں یا روحانی بہرحال یہ طے ہے کہ حضورؐ نے تمام چیزوں کو عین الیقین کی حد تک ملاحظہ کیا۔

واقعہ اسراء انسانوں کیلئے پیغام خداوندی ہے کہ زمان ومکان کی حدود وقیود عارضی ہیں اوران کو پار کرنا ''کلمع بصر'' کی مانند ہیں۔ بقول علامہ اقبال!

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفٰے سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

نیز نبیؐ کی فضیلت دیگر انبیاء پر ثابت کرنا بھی مقصود ہے سوال یہ ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام سے اللہ اس دنیا میں ہمکلام ہوسکتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ کے پیدا کرسکتا ہے تو محمد عربیؐ سے اس دنیا کے پار آسمانوں میں ہم کلام کیوں نہیں ہوسکتا؟

جو کچھ ان واقعات میں بتایا گیا ہے وہ خدا کے کمالات کا مظہر ہیں۔ اللہ اور انسان کا گہرا تعلق واضح کیا گیا ہے۔ انسان کو خلیفہ بنا کر اس کی حیثیت اور مقام کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں اس بات کا اظہار بھی ہے کہ وہ مسجود ملائکہ کیوں بنا۔ وہ محبوب ربانی کیوں بنا۔ انسان کو دی ہوئی طاقت واقعہ معراج کی بدولت دراصل خدا کی دی ہوئی طاقت کا پتہ دیتی ہے۔ اس واقعے کے بعد دنیا نے جان لیا کہ یہ پیغام حق ہے اب دور دراز علاقوں سے لوگ اسلام قبول کرنے حاضر ہوتے ہیں۔ اس سے مدینہ اسلام پہنچنے کا راستہ کھلتا ہے۔

بیعت عقبہ اولی: *(The first Covenant of Aqbah)*

محمد عربیؐ کی ذات بابرکات نے اپنی زندگی میں ہر قسم کی سختیاں برداشت کیں۔ آپؐ کو پیغام ربانی کے سنانے کے ساتھ ہی مصیبتوں، تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سفر طائف بھی اپنی تلخ یادیں چھوڑ گیا۔ واقعہ معراج کے بعد قریش کی مخالفت میں کمی نہ آئی۔ لیکن عزم، حوصلہ، ہمت خدا کے سامنے اپنی کامل سپردگی اور خدا کی رحمت کا شامل حال ہونا محمدؐ کو ایک نیا جذبہ عطا کرتا ہے۔ نیا موسم حج آتے ہی آپؐ نے توحید کے پیغام کو ایک مرتبہ پھر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔

اب آپؐ کو احساس ہوتا ہے کہ ایک نیا علاقہ اسلام قبول کرنے میں آگے آ رہا ہے وہ علاقہ جو آپؐ کے ساتھ دلی تعلق رکھتا تھا وہ علاقہ جہاں آپؐ کے والد کی قبر مبارک تھی وہ علاقہ جہاں آپؐ کے والد کے آباؤ اجداد رہائش پذیر تھے وہ علاقہ جہاں بچپن میں آپؐ اپنی والدہ کے ساتھ بھی ہو آئے تھے۔ وہ علاقہ جس کا راستہ انبیاء کے

مرکز بیت المقدس کو جاتا تھا وہ راستہ جس میں آپ کی والدہ صاحبہ دفن تھیں۔ وہ راستہ جہاں سے خوشیوں کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ علاقہ جس نے حبیب خدا کا گھر بننا تھا۔ پہلا شخص جو مدینہ سے مکہ ایام حج میں آیا اور اسلام کا پیغام اپنے سینے میں واپس لیکر گیا وہ سوید ابن صامتؓ تھا۔ ایاس ابن معاذؓ نے بھی اسلام کی کرنیں اپنے دامن میں لپیٹیں اور یثرب کے لوگوں کو منور کرنا شروع کیا۔

آسمان اپنی جولانیاں دکھاتا رہتا ہے۔ تاریخ کا رخ کیسے موڑ کاٹتا ہے۔ مدینہ کے بااثر قبیلے اوس وخزرج باہم دست وگریبان ہو جاتے ہیں۔ جنگ بعاث وقوع پذیر ہوتی ہے۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے ایسے خون کے پیاسے بنتے ہیں کہ صفحہ ہستی سے ایک دوسرے کو مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن ابوقیس کی کوشش کامیاب ہوگئی۔ دونوں فریقین کی تلواریں نیاموں میں واپس ہوگئیں۔ ایک دوسرے کے غصے ٹھنڈے پڑ گئے، تدبیریں سوچی جانے لگیں۔ مکہ کی طرف بنونجار کے دوافراد گئے، ملاقات رسولؐ سے بہرہ ور ہوتے ہی شرح صدر ہوئی کہ یہی وہ شخص ہے جسکا پیغام ہم دونوں قبائل کو متحد کر سکتا ہے۔ چنانچہ بیعت عقبہ اولیٰ کا مرحلہ آتا ہے۔

اگلے سال موسم حج میں بارہ آدمیوں کا قافلہ کاشانہ نبوت پر حاضر ہو کر بیعت کرتا ہے کہ ''ہم خدا کو ایک جانیں گے، چوری نہ کریں گے، بدکاری سے دور بھاگیں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کسی ایسی برائی کا ارتکاب نہ کریں گے جس سے خدا نے منع کیا ہوگا''۔ ان تمام باتوں کو قبول کرنے کے عوض حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام دیں گے، اس سے اہل یثرب راضی ہو گئے اس پر حضورؐ نے مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ روانہ کیا جسکے فرائض میں انہیں قرآن سکھانا اور اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانا تھا۔ یہ استاد اپنی ہمت، کوشش اور لیاقت سے اہل یثرب کو اسلام کا گرویدہ کر گیا۔ اگلے سال لوگوں کے دل محمدؐ کی ملاقات کیلئے تڑپ اٹھے۔ (14)

بیعت عقبہ ثانی (12 نبوی):

(The second Covenant of Aqbah)

73 مرد اور دو عورتیں عقبہ کی پہاڑی پر محمدؐ کے ساتھ محو گفتگو ہوئیں۔ اللہ ان پر نگران تھا، مکالمے ہوئے، ایک دوسرے کیلئے مرنے مارنے کی قسمیں کھائی گئیں، اوس وخزرج سے ساتھ نبھانے کے وعدے لئے گئے، ان کی حفاظت کیلئے محمدؐ نے دل وجان قربان کرنے کا اعلان کیا۔ یوں ایک معاہدہ عمل میں آیا جسے سیرت نگار بیعت عقبہ ثانی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ جس نے قریش کی مخالفت کی کمر توڑ دی جس نے دنیا کو اسلام کی تعلیمات سمجھنے کا موقع دیا جس نے دنیا کو ایک نئی تہذیب سے آشنا کیا جسکی روشنی، چمک اور طاقت سے اُمت مسلمہ ایک قوت ہے۔ یہ واقعہ اب بھی انسانیت کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مسلمانو! تعلیمات نبوی کو اپناؤ، دنیا کو خونریزی سے بچالو، اسے امن کا گہوارہ بنادو، پیغام ربانی ایک دفعہ پھر روس وچین، امریکہ ویورپ کے ایوانوں میں پہنچا دو۔ انکے ایوانوں میں اللہ کی تجلیاں بکھیر دو تاکہ اسلام ایک زندہ جاوید حقیقت بن کر سامنے آجائے۔ یہ سب کچھ "ادفع بالتی احسن" کی تفسیر ہو نہ کہ دہشت گردی کی علامت۔

بیعت عقبہ ثانی نے ایک دفعہ پھر قریش کی مخالفت کی آگ کو بھڑکا دیا اب انہوں نے (العیاذ باللہ) محمدؐ کو قتل کرنے کی سازش تیار کرلی۔

اس واقعہ کے بعد محمدؐ ہجرت مدینہ کا ولولہ دل میں لئے بیٹھے ہیں۔ پیغام ربانی کا انتظار ہے، سواریوں کا انتظام ہے، آخر وہ وقت آگیا جب آپؐ نے ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کرو اور علیؓ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے بستر مبارک پر سو جائیں اور صبح لوگوں کی امانتیں واپس کریں اور ایک نئے گھر کی طرف رُخ کریں جو مسلمانوں کا ایک گہوارہ ہوگا۔ (15)

باب سوم

مقاطعہ قریش سے بیعت عقبہ تک

1- مقاطعہ قریش کی تفصیل کیلئے دیکھئے، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج 1، ص 350، منصور پوری، رحمتہ اللعالمین، ج 1، ص 69

2- Hykal, The Life of Muhammad, P.118

3- Ibid, P.120

4- ان کی وفات، شعب ابی طالب کی محصوری کے خاتمے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 165

5- منصور پوری، رحمتہ للعالمین، ج 2، ص 164

6- Hyakal, The Life of Muhammad P.136

7- ابن سعد نے اس روایت کو اختیار کیا ہے تاہم دیگر روایات بھی موجود ہیں۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 1، ص 240

8- Majid Ali Khan, Dr, Muhammad, P.93

9- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 242

10- Haykal, The Life of Muhammad P.147

11- ابن قیم، زاد المعاد، دار الکتاب العربی، بیروت، ج 2، ص 47

12- مزید تفصیلات کیلئے بخاری، صحیح بخاری، ج 1، ص 455، مسلم، صحیح مسلم، ج 1، ص 91

13- مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص 201

14- بخاری، صحیح بخاری، باب وفود الانصار، ج 1، ص 550

15- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ص 441

باب چہارم

ہجرت مدینہ سے وفد نجران تک

(From-Hijrah for Midinah to Delegation of Najran)

ہجرت مدینہ:

ابن ہشام نے ہجرت مدینہ کے جو واقعات قلمبند کئے ہیں ان کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دوست ابوبکرؓ ہجرت مدینہ کی غرض سے غار ثور کی طرف چلے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو کہا کہ اس سلسلہ میں اہل مکہ پر نظر رکھیں جو باتیں وہ کریں شام تک ان کو آ کر بتا دیا کریں۔ نیز اپنے غلام فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ غار کے قریب بھیڑ بکریاں چرایا کریں اور قریب ہی رہا کریں۔ اپنی بیٹی اسماء کو حکم دیا کہ رات کو انکے لئے کھانے کا بندوبست کرتی رہیں یہاں تک کہ وہ آگے تک نکل جائیں۔ حضورؐ غار ثور میں تین دن تک قیام پذیر رہے۔ قریش کو جب یقین ہو گیا کہ آپؐ نے مکہ چھوڑ دیا ہے تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص عبداللہ کے بیٹے محمدؐ کو گرفتار کر کے لائے گا 100 اونٹ انعام میں پانے کا حقدار ہو گا۔ ادھر عبداللہ بن ابوبکر مکہ والوں کی گپ شپ سنتے اور رات کو غار ثور میں جا کر سنا آتے۔ غلام فہیرہ آس پاس کہیں بکریوں کو چراتا رہتا جب عبداللہ واپس مکہ جاتے تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ریوڑ لیکر چلتا تا کہ اُن کے پاؤں کے نشان مٹتے جائیں۔ تین دنوں بعد جب کفار مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپؐ کی تلاش میں کمی کر دی، حالات درست ہونے پر ہجرت مدینہ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

اس کہانی میں تین معجزات کا ذکر ملتا ہے۔

1- مکڑی کا غار کے منہ پر جالا بننا۔ 2- کبوتروں کا غار کے دروازہ پر انڈے

دینا۔ 3- درخت کا غار کے منہ پر شاخیں پھیلا دینا۔ جب حضورؐ اور آپ کے ساتھی غار میں داخل ہوئے ان تینوں چیزوں میں سے کوئی بھی چیز موجود نہ تھی۔ مکڑی کا جلدی میں جالا بننا، کبوتروں کا فوری انڈے دینا اور درخت کی شاخوں کا جھک جانا، اللہ کی خصوصی رحمت اور معجزات کی حقیقت ثابت کرتا ہے۔

ایک مستشرق ڈرمینگھم (Dermenghaam) اس بات کو تسلیم کرتا ہے وہ کہتا ہے۔

"These three things are the only miracles recorded in authentic Mussalman history. The web of spider, the love of a dove, the sprooting of a flower three miracles accomplished daily on God`s earth". (1)

اس سفر سے پہلے کے واقعات میں جو چیز قابل ذکر ہے وہ محمدؐ کا اخلاقی کردار ہے۔ جو امانتیں لوگوں نے آپؐ کو سپرد کی ہوئی تھیں۔ جب تک اُن کے لوٹانے کا انتظام نہ کیا آپؐ نے سفر شروع نہ کیا انتظام یہ تھا کہ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلایا، ایسا کرنا ایک طرف اس مسئلہ کا وقتی حل تھا دوسری طرف کفار جو آپؐ کے قتل کے منصوبے بنا رہے تھے اور رات کو انہوں نے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس کا تدارک تھا اللہ اپنے بندوں کی جس طرح چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ وایدہ بجنود لم تروھا بھی یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ!

"All the three events mentioned (above) were according to the will of God".

غار ثور میں تین دن قیام کے بعد تین افراد پر مشتمل قافلہ مدینہ کی جانب روانہ ہوا، ان لوگوں نے بحر احمر کے ساتھ ساتھ وہ راستہ اختیار کیا جو زیادہ استعمال نہ

ہوتا تھا۔ عبداللہ ابن اریقط نے گائیڈ کے فرائض سرانجام دیئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے مکہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کیلئے انعام مقرر کر دیا۔ لوگوں کے دلوں میں ویسے بھی حضورؐ کے خلاف غصہ اور انتقام کی آگ موجزن تھی چنانچہ وہ گھروں سے نکل پڑے، اس دوران سراقہ بن مالک بن جُعشم 100 اونٹ جیتنے کے لالچ میں تلاش محمدؐ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ لیکن قدرت خداوندی جوش میں آئی سراقہ کا گھوڑا تین دفعہ ٹھوکر کھا کر گرا، یہاں تک کہ سراقہ کو یقین ہو گیا کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار نہیں کر سکتا۔ آخر کار اس نے آپؐ سے معافی مانگی اور نقصان نہ پہنچانے کی یقین دہانی کرائی۔ ملاقات کے بعد سراقہ واپس مکہ چلا گیا اور لوگوں کو بتایا کہ محمدؐ کو گرفتار کرنا اُس کے بس کی بات نہیں۔

محمدؐ اور آپؐ کے ساتھی رات کے حصے میں سفر کرتے، دن میں سورج کی تمازت اپنے آب وتاب سے جلوہ فگن ہوتی لیکن تائید ایزدی اور اعتماد کے ساتھ آپؐ آگے بڑھتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ساتویں دن آپ مدینہ کے قریب بنو سلیم کے ٹیلوں پر پہنچ گئے۔ (2) یہاں پر بُریدہ جو کہ قبیلہ کے سردار تھے نے استقبال کیا۔ محمدؐ اور آپکے ساتھیوں نے اطمینان کا سانس لیا اور سمجھ لیا کہ منزل قریب آ گئی ہے۔ اس دوران مدینہ والوں کو اطلاع ہوگئی کہ محمدؐ مکہ چھوڑ کر ان کے پاس رہنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

جولائی کے دنوں میں محمدؐ قبا پہنچ گئے۔ اس دوران حضرت علیؓ بھی آپؐ سے آ ملے۔ قبا میں ایک مسجد تعمیر کی گئی جو آج بھی قائم ہے۔ قرآن مجید کے مطابق یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی۔ جمعہ کے دن آپؐ مدینہ روانہ ہوئے۔ اہل یثرب آپؐ کے لئے چشم براہ تھے اور ان کے دل آپؐ کی آمد کے لئے دھڑک رہے تھے ایسے میں آمنہ کا لعل، بدر کا چاند اُبھرا اور لوگوں کی آنکھوں میں

خوشی کی چمک دوڑ گئی انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ مدینہ پہنچنے پر آپؐ کا استقبال اس گیت سے ہوا۔

طلع البدر علینا ۔ من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ۔ ما دعیٰ للّٰہ داع

حضورؐ نے 12 ربیع الاول بروز جمعہ مسجد قبا سے مدینہ کی جانب روانگی فرمائی تھی یہ 24 ستمبر 622 کا واقعہ ہے۔(3)

حضورؐ کے مدینہ میں داخلہ کو ایسے ہی منایا گیا جس طرح ایک فاتح کسی شان سے اُس علاقے کو فتح کرتے ہوئے داخل ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؐ فاتح عالم تھے آپؐ نے لوگوں کے دلوں کو جیت لیا تھا۔

فضا خوشیوں سے مہک اُٹھی۔ ہر بندہ خدا کے دل کی آرزو تھی کہ اللہ کا مہمان اُس کا مہمان بن جائے۔لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ حضورؐ نے کہا کہ میری اونٹنی جس گھر کے سامنے بیٹھ جائے گی وہاں میرا مسکن ہوگا یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حصے میں آئی۔(4)

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اپنے مہمان کو ہر سہولت مہیا کی۔ یہاں آپؐ نے تقریباً سات ماہ تک قیام کیا۔

یثرب کا نام اب مدینۃ النبیؐ پڑ گیا جس کا معنی ہے نبیؐ کا شہر۔سب سے قبل مسجد تعمیر کی گئی جو آج دنیا کی سب سے بڑی اور خوبصورت ترین مسجد ہے۔

مسجد نبوی **(*The Mosque of the Prophet*)**

جس جگہ آپؐ کا ناقہ بیٹھا تھا اس جگہ کو مسجد نبویؐ کیلئے منتخب کیا گیا۔ یہ جگہ سہل اور سہیل نامی دو بھائیوں کی تھی ان سے یہ جگہ خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ حضورؐ نے مسجد قبا کی طرح یہاں بھی خود کام کیا، شروع میں یہ مسجد نہایت سادہ تھی۔

دیواریں کچی اور چھت کھجور کے پتوں کی تھی، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا تھا، ایک دروازہ کعبہ کی جانب بھی تھا، فرش خام تھا، بارش کے ایام میں تکلیف ہوتی کپڑے کیچڑ سے بھر جاتے بعد ازاں اسے پختہ کر دیا گیا۔ مسجد میں ایک صفہ بنایا گیا تھا یہ مساکین صحابہ جو مال ومنال اور اہل وعیال نہ رکھتے تھے اُن کے بیٹھنے، پڑھنے اور سونے کی جگہ تھی۔ جو لوگ یہاں قیام پذیر تھے وہ اہل الصوفہ کہلائے۔ مدینہ میں اگر کوئی باہر سے مسافر یا مہمان آتا تھا وہ بھی یہاں ٹھہر جاتا تھا۔ اس طرح یہ مہمان خانہ بھی تھا۔ یہاں رہنے والے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل مہمان تھے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ، سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ، ابوہریرہؓ، خباب بن الارتؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، ابوسعید خدریؓ کے نام اصحاب صفہ کے حوالے سے ملتے ہیں۔ (5)

اہل صفہ سے آپ کو بہت محبت تھی ان پر بڑی نظر عنایت تھی، اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں کچھ کنیزیں آئیں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی خواہش تھی کہ انہیں بھی ایک کنیز مل جائے لیکن آپؐ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ نہیں ہونے کا کہ تم کو خادمہ دوں اور صفہ والے بھوکے مریں، ان کے خرچ کیلئے میرے پاس کچھ نہیں میں ان اسیران جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔ (6)

مسجد نبوی جب مکمل ہو چکی تو حضورؐ نے ازواج مطہرات کیلئے کمرے بنوائے، اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقد نکاح میں تھیں۔ یہ کمرے مسجد سے متصل تھے۔ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال کر حجرہ کے اندر کر دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتیں۔ (7)

انہی حجروں میں سے حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں آپ کا وصال ہوا اور

دفن ہوئے۔ یہاں پر اب آپؐ کا روضہ مبارک بنا ہوا ہے۔ جب مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضورؐ نے اہل صفہ اور صحابہ سے ملکر انصار سے بھائی چارہ کی فضا سازگار کی، جسے مواخات کا نام دیا گیا۔

مواخات (Brotherhood of Muslims)

تاریخ انسانی میں ایک ایسے باب کا اضافہ ہوا جس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے نہ اب ملے گی۔ مہاجرین وانصار کے مابین مواخات اور بھائی چارے کا عمل اسلامی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ اس بھائی چارے کے مطابق مسلمانوں کو ایک دوسرے کا غمخوار، بھائی، ہمدرد یہاں تک کہ وارث قرار دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہوا!

واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض (6:33) بعد ازاں جب وراثت کے احکام نافذ ہوئے تو اس حکم کی تنسیخ عمل میں آئی۔

اس بھائی چارے کا مقصد جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ اور رنگ ونسل ووطن کے امتیازات کے نشان مٹانا تھا اور تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا تھا۔

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ربیعؓ کے درمیان بھائی چارہ ہوا۔ حضرت سعدؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ میرے پاس بہت مال ہے میں اپنا مال آپ کو بانٹ دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں ایک سے آپ کا نکاح کر دیتا ہوں۔ (قانونی تقاضوں کے بعد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے محض بازار کا راستہ پوچھا اور تجارت میں لگ گئے۔ اللہ نے برکت ڈالی اور یوں وہ مالدار ہو گئے۔

حضورؐ خود حضرت علی کے بھائی بنے۔ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ اور ان کے موالی (Clint) بھائی چارہ میں منسلک ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت خریجہ بن زیدؓ نے اکٹھا رہنا پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ اور عتبان بن مالکؓ ایک دوسرے کے غمخوار ومونس

قرار پائے۔ غرض ہر مہاجر دوسرے انصار کا بھائی بن گیا۔ "انما المومنون اخوۃ" کی تعبیر مل گئی۔

واقعہ مواخات نے مسلمانوں اور انصاریوں کو یوں آپس میں پیوست کر دیا کہ ایک اسلامی معاشرہ کی بنیاد پڑ گئی بلکہ ایک سیاسی نظام کا آغاز ہوا۔ جو محمدؐ کی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایک مصری مصنف لکھتا ہے۔

"Here began the political stage in which Muhammad showed such great wisdom, insight, and statesmanship as would arrest attention first in surprise and then awa and reverence". (8)

مسلمانوں سے بھائی چارہ قائم کرنے کے بعد آپؐ نے مدینہ کے دیگر باسیوں کی طرف توجہ دی۔ یہ تھے مدینہ کے یہود۔ یہودی قوم تاریخ انسانی میں کئی نشیب وفراز سے گزری ہے۔ اس قوم کو نبوت بھی ملی اور دنیا پر سیاسی غلبہ بھی۔ لیکن اس قوم نے اپنی بداعمالیوں سے بارہا غضب خداوندی کو دعوت دی اور اپنے سیاسی غلبہ سے محروم ہو گئے۔ دوسری اقوام نے انہیں تخت وتاراج کیا۔ ان کے مذہبی مقامات کے تقدس کو پامال کیا اور ان کی مذہبی کتب کو نذر آتش کیا۔ اس طرح یہودی قوم فلسطین سے نکل کر دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل گئی۔ ساتویں صدی عیسوی میں یہ لوگ جزیرہ عرب کے مختلف گوشوں میں آباد تھے۔ یثرب، خیبر، وادی القری، فدک اور تیما میں یہودیوں کے مضبوط قبائل آباد تھے۔ (9) آج کل یہودی اسرائیل میں رہتے ہیں۔

یہود کے ساتھ معاہدہ ***(The Covenant with Jews)***

مسلمانوں کے دو گروہ انصار اور مہاجرین جب اسلامی اخوت میں منسلک ہو چکے تو ضرورت اس امر کی تھی کہ مدینہ کے دیگر قبائل خصوصاً یہود کو مسلمانوں کے ساتھ

ایک میثاق میں منسلک کر دیا جائے۔ تاکہ مدینہ اور مدینہ کے مضافات میں امن وسکون کی فضا ہموار ہو اور اسلام آسانی سے افراد کے رگ وجان میں سرایت کر سکے۔ چنانچہ ایک معاہدہ ہوا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں اس کی دفعات مندرجہ ذیل تھیں۔

1- یہود اور مسلمان اپنے اپنے دین پر قائم رہ سکیں گے انہیں مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔

2- خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے وہ قائم رہے گا۔

3- اگر ایک فریق کسی سے لڑائی کرے گا تو دوسرا اس کی مدد کرے گا۔

4- اس معاہدہ میں شامل شرکاء ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ایک دوسرے کے لئے نفع رساں ہوں گے۔

5- اس معاہدے کے فریقین میں اگر کوئی جھگڑا ہو جائے تو فیصلہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ کریں گے۔

6- قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

7- اگر کوئی فریق مدینہ پر حملہ آور ہو گا تو سب فریق ملکر اپنے علاقے کا دفاع کریں گے۔

8- یہ معاہدہ کسی مجرم کیلئے آڑ تصور نہ کیا جائے گا۔

9- مظلوم کی مدد کی جائے گی۔(10)

معاہدے پر تبصرہ:

اس معاہدے کی دفعات کو اسلامی ریاست کا پہلا دستور قرار دیا گیا ہے۔ قبائلی سسٹم کا خاتمہ کر کے مُنصف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تسلیم کیا گیا۔ مساوات پر مبنی معاشرے کی بنیاد رکھی گئی۔ اسلامی ریاست کا ابتدائی وجود ''مدنی ریاست'' یا ''شہری ریاست'' کی شکل میں دیکھنے میں آیا۔ Tor Andrie یہ تبصرہ کرتا ہے۔

"The Laws of the Madina congregation are the first draft of the theocratic constitution which gradually made Islam a world empire and a world raligion". (11)

چودہ سو سال پہلے لکھا ہوا تحریری دستور افراد کو عقیدے اور مذہب کی آزادی اور رائے کا اختیار دیتا ہے۔ انسانی جان وجائیداد کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اور مذہب کے ماننے والوں کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ آج اقوام متحدہ (UNO) نے انہی بنیادوں پر انسانی حقوق کا منشور تیار کیا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے وعدے کا پاس رکھا۔ لیکن یہودی بدعہدی کا شکار ہو گئے اب مسلمانوں نے اپنی اجتماعی زندگی پر توجہ مرکوز کی۔ نماز کیلئے لوگوں کو اکٹھا کرنے کا طریقہ سوچا جا رہا تھا کہ اس مسئلہ کا حل خود بخود سامنے آ گیا۔

اذان کی ابتداء: (Call for Prayer)

حضورؐ کی اجتماعی زندگی میں اہم واقعہ مسجد نبوی میں اذان کی ابتداء کا ہے۔ مسلمانوں کو نماز کیلئے جمع کرنا ایک مسئلہ تھا۔ چنانچہ مجلس شوریٰ بلائی گئی بعض صحابہ نے آگ جلانے اور اسے اونچی جگہ رکھنے کی تجویز پیش کی آپؐ نے اسے طریقہ مجوس قرار دیکر رد کر دیا۔ ناقوس کی تجویز بوجہ مشابہت نصاریٰ رد کر دی گئی۔ بوق کو بوجہ مشابہت یہود پسندیدہ قرار نہ دیا گیا۔

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس دوران حضرت عبداللہ بن زید انصاری کو خواب میں بہترین طریقہ بتلایا گیا اس طریقہ کو حضورؐ نے رویا حق قرار دیا اور بلال کو کلمات اذان سکھا کر نرم وشیریں آواز سے پکارنے کی تلقین کی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی خواب میں یہ کلمات سنے جنہیں حضورؐ نے پسند فرمایا۔ اس طرح اذان کی ابتداء ہوئی اور باقاعدہ اقامت صلوۃ کا

فریضہ سرانجام دیا جانے لگا۔ نماز میں قبلہ بیت المقدس قرار پایا لیکن حضورؐ کی خواہش تھی کہ مسلمان نمازوں میں اپنے رخ بیت اللہ کی طرف کیا کریں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی یہ دعا بھی پوری کردی۔

تحویل قبلہ (2ھ) (The Change of Qiblah)

حضورؐ کی زندگی مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ہے۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں کبھی مال سے محبت نہ کی، یہاں تک کہ جو کچھ آپ کو ملتا سب کچھ راہ اللہ میں صرف کردیتے آپؐ زاہدانہ زندگی بسر کرتے۔ زاہدانہ زندگی سے مراد سادہ طرز زندگی ہے۔ آپؐ دنیا کی لذتوں کو ترجیح نہ دیتے، سادہ لباس اور سادہ خوراک کو اپنائے رکھتے۔

کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے، جو کی روٹی کبھی دو دن مسلسل نہ کھاتے، تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپؐ لذات دنیا سے کنارہ کش رہنے کی تلقین کرتے، گوشت کھانا، شہد کھانا آپ کی زندگی کا معمول تھا۔ اس کا ذکر حضورؐ کی عادات مبارکہ کے ضمن میں آئے گا۔

آپؐ کہا کرتے "دنیا ایسے گزارو جیسا کہ تم نے یہاں مستقل رہنا ہو۔ دوسری دنیا کے لئے ایسے کام کرو جیسا کہ تم نے کل مرجانا ہے"۔

عام معاشرتی زندگی میں آپؐ رحم وکرم، عفو ودرگزر کو پسند فرماتے، تاہم انصاف کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ ہمسایوں سے حسن سلوک پر آپ ہمیشہ درس دیتے، غریبوں، محتاجوں، مسکینوں اور مہمانوں کا ہر وقت خیال کرتے، اس قسم کے طرز عمل کو دیکھنے اور سننے والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ جس سے مسلمانوں کی تعداد میں عملاً اضافہ ہو رہا تھا۔ یہودی اس خطرہ کو بھانپ گئے۔ اس دوران ایسے واقعات بھی رونما ہوئے۔ جن سے مسلمان اور یہود کے مابین "الفاظ کی جنگ" یا "Hot Words" کا تبادلہ ہوا۔

عبداللہ بن سلامؓ کا مسلمان ہو جانا بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔ جو یہود کیلئے لمحہ فکریہ بنا۔ اگرچہ ابتدائی طور پر مسلمانوں نے یہود کی طرز پر روزے بھی رکھے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز بھی پڑھی۔ لیکن لوگوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات جب بڑھنے لگے تو یہود نے بھی اپنے تشخص پر زور دینا شروع کیا۔ نتیجۃً تحویل قبلہ کا واقعہ پیش آنا ایک لازمی امر تھا۔ آپؐ نے بروایت قتادہ سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ (13) لیکن آپؐ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ مکہ ہو آپؐ روزانہ آسمان کی طرف منہ اٹھائے حضرت جبرائیل کی آمد کا انتظار کرتے آخر وہ وقت آ گیا جب اللہ نے اپنا حکم سنا دیا:

"قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام" (18:2)

نماز ظہر کا وقت تھا آپ تیسری رکعت میں تھے وحی الٰہی نازل ہوئی آپؐ نماز کی حالت میں کعبہ کی طرف رخ کر گئے۔ مقتدیوں نے امام کا اتباع کیا اور قبلہ بدل گیا۔

عصر کے وقت بنی حارثہ میں ایک شخص نے اطلاع کی کہ قبلہ بدل گیا ہے وہ لوگ بھی فوراً کعبہ رخ ہو گئے۔ دوسرے روز کعبہ کی طرف منہ کرنے کی خبر قبا پہنچی۔ انہوں نے بھی رخ تبدیل کیا اور خوشی کا اظہار کیا مگر یہ بات یہود کو بہت ناگوار گزری اس پر انہوں نے حضورؐ اور مسلمانوں پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ اسلام نے قرآن کی زبان میں سیدھا سادہ جواب دیا!

سيقول السفهاء من الناس ما ولهم عن قبلتهم التي كانوا عليها ط قل لله المشرق والمغرب ط يهدي من يشاء الى صراط مستقيم O وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا لنعلم

من يتبع الرسول ممن ينقلب علی عقبیہ ط وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین هدی الله (17:2)

منٹگمری وٹ کا یہ اعتراض غلط ہے کہ مسلمانوں نے یہ قدم اس لئے اٹھایا کہ یہود مخالف افراد کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔(14)

دراصل تحویل قبلہ اللہ کا حکم تھا جو کہ آزمائش تھی کہ کون اللہ کا حکم مانتا ہے اور کون نہیں، دوسرا اگر یہ کہا جائے کہ بنی اسرائیل سے یہ قیادت لیکر مسلمانوں کو دینا مطلوب تھی تو یہ بھی درست ہے۔(15)

ابراہیمی مذہب کے دعویدار یہودیوں کو تحویل قبلہ سے ایک اور نقصان یہ ہوا کہ اسلام نے اپنے آپ کو ابراہیم کا پیروکار قرار دے دیا۔

قرآن مجید کے الفاظ ہیں ''ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ سچا مسلمان تھا، اور نہ ہی وہ مشرکین میں سے تھا'' (القرآن 3:67-68)

اس آیت مبارکہ سے اسلام نے یہودیت، عیسائیت اور شرک کی باطل قوتوں سے علیحدہ راستہ اختیار کرنے کا واضح اعلان کر دیا۔ کیونکہ یہ قوتیں زبانی طور پر ابراہیمی سنت پر عمل کی دعویدار تھیں اور عملی طور پر بے کار۔ جبکہ اسلام نے اس پر صحیح عمل کر کے دکھایا۔ اسلام نے اعلان کر دیا کہ اسلام سیدھا اور سچا مذہب ہے یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے (ان الدین عندالله الاسلام) اگر یہود اور عیسائی مختلف تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں تو اپنی غلطی کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ اسلام دراصل مذاہب کے سلسلہ کا تتمہ ہے۔ حضرت آدمؑ سے جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے ہوتا ہوا حضرت محمدؐ پر ختم ہو گیا۔ وہ پیغام ربانی جو مختلف پیغمبروں نے روئے زمین پر لوگوں کو سنایا وہ فائنل (Complete) ہو گیا۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ بات سمجھ میں آنے کے باوجود سجھائی نہ دیتی۔ حالانکہ وہی خدا ہے جس نے حضرت موسیٰ کو اور

حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا ان پر اپنا پیغام بھیجا۔ اسی نے آخر میں حضرت محمدؐ کو بھیج کر اپنے پہلے پیغام کی تصدیق بھی کر دی اور سلسلہ نبوت پر مہر لگا دی۔ حضورؐ نے اعلان کر دیا "لا نبی بعدی" نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی زندگی میں یہود کے ساتھ ساتھ عیسائیوں سے بھی اپنا رابطہ استوار رکھا۔ یہاں تک کہ ایک وفد آپؐ کے خیالات سننے مدینہ آ پہنچا۔

وفد نجران (The Christian Delegation from Najran)

مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز ایک معقول اضافہ ہو رہا تھا۔ اس دوران 60 افراد پر مشتمل ایک عیسائی وفد مدینہ کی وادی میں اس وقت پہنچا جبکہ یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مکالمات جاری تھے۔ اس وفد میں شرفاء علماء اور مذہبی رہنما شامل تھے۔

ایک رائے کے مطابق یہ وفد اس لئے مدینہ آیا کہ ایک طرف یہودیوں کی سازشوں سے اہل شام اور اہل یمن کو بچایا جائے اور دوسری طرف عرب جارحیت سے محفوظ رہا جائے۔ محمد حسین ھیکل لکھتے ہیں۔

"Perhaps this delegation arrived in Madina after they learned of the conflict between Muhammad and the Jews with the hope of adding fuel to the fire so that neighbouring christendom, Wehther in al-Sham or in Yaman, might relax and feel safe from Jewish plots and Arab aggression.; (16)

وفد کے آنے پر تینوں مذاہب کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملا۔ ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہی ہوئی۔

یہودی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کی نبوت سے انکاری تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ حضرت عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور تثلیث کے حق میں دلائل دے رہے تھے۔

حضورؐ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے جواب میں کہا کہ "ہم ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں جو کچھ ہماری طرف نازل ہوا، وہی ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر (نازل ہوا) جو کچھ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوا ہم اُس پر بھی یقین رکھتے ہیں"۔ محمدؐ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو واضح طور پر کہا کہ جو کچھ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوا ہے وہی مجھ پر نازل ہوا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اس میں ترمیم واضافے کر دیئے ہیں۔ وہ تحریف اور کتمان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے قرآن کی یہ آیت ان کو پڑھ کر سنائی:

قُل یاھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللّٰه ولا تشرك به شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللّٰه (64:3)

عیسائیوں نے اس دوران محمدؐ سے ایک التجا کی کہ مسلمانوں میں سے کسی ایک شخص کو ان کے ساتھ روانہ کریں۔ جو بطور جج ان میں کام کرے حضورؐ نے عبیدہ بن الجراح کو اس کام پر مامور کیا۔

اِدھر یہ حالات جاری تھے اُدھر قریش مکہ اپنے جوش انتقام میں جل بھن کر مسلمانوں سے انتقام لینے کی کوشش میں مصروف تھے۔ یہاں تک کہ جنگوں کا ایک طویل سلسلہ مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا۔

باب چہارم

ہجرت مدینہ سے وفد نجران تک

1- Haykal, The Life of Muhammad,P.165

2- ابن سعد نے اس سفر کی تمام منزلیں گنوائی ہیں۔ بقول شبلی آج ان منزلوں کا نشان نہیں ملتا۔

شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 172، ابن سعد، طبقات، سیرۃ النبیؐ، ص 158

3- اس تاریخ پر اکثر تاریخ نگار اتفاق کرتے ہیں۔

السہیلی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ، الروض الانف، الجمالیۃ، مصر، 1332، ج 2، ص 2

4- صحیح مسلم باب الہجرت میں البتہ یوں لکھا ہے کہ جب لوگوں میں آپؐ کی میزبانی کے بارے میں جھگڑا ہوا تو آپؐ نے کہا میں بنونجار کے ہاں اتروں گا جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ جن کا نام خالد تھا اتفاقاً اُسی خاندان سے تھے۔

شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، حاشیہ، ص 175

5- نوربخش توکلی، سیرت رسول عربی، ادارہ الاویس، لاہور، ص 79

6- ایضاً

7- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص ض 176

8- Haykal, The Life of Muhammad P.177

9- جوادعلی، تاریخ العرب، دارالعلم بیروت، 1970ء، ج 6، ص 527

بحوالہ، کرم شاہ الازھری، ضیاء النبیؐ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ج 6، ص 25

10- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 183

11- Tor Andrae, 'Muhammad The Man and His Faith,

P.136

12- فتح الباری، نووی، زرقانی، باب بدٔالاذان میں یہ تفصیلات موجود ہیں۔

13- بلاذری، ابوالحسن، فتوح البلدان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1983ء ص145

14- Montgomery, W, **Muhammad: The Prophet and Statesman** Oxford University Press, London, 1961, P.114

15- Majid ali Khan, **Muhammad: The Final Messenger** P.141-42

16- Haykal, **The Life of Muhammad** P.195

باب پنجم

غزوہ بدر سے قریظہ تک

(From Badar to Qureza)

غزوات النبیؐ: (The Holy Wars of the Prophet)

"The Prophet could not have gone to war execpt in accordance with the spirit and word of Quran. Allah has given the name of Islam, the state of peace, to this code of life. He has very strongly prohibited the spreading of Islam through force of any Kind. War, therefore, would appear foreign to this code of life and yet we know that the prophet (SAW) who was of a very mild nature, took part in a prolonged war which coverd nine years out of his ten years life in Madinah. (1)

اسلام نے تا قیامت دفاعی جنگ پورے جوش وخروش سے کرنا فرض قرار دیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔ ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین (19:12)

اسلام میں یہ سوال بڑا اہم ہے کہ غزوات النبیؐ کی حیثیت دفاعی تھی یا اقدامی۔ خود مسلمان سیرت نگار بھی اس کی حیثیت متعین کرنے میں اختلاف کا شکار

رہے۔ تاہم مستشرقین کا یہ خیال انتہائی غلط ہے کہ رسالت مآبؐ اور آپؐ کے ساتھی قریش مکہ سے انتقام لینے میں بے چین تھے۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں ''یورپ کے تمام مورخین نے سیرت نبویؐ کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں''۔ (2)

اس بات کو ذہن سے نہیں نکالنا چاہیے کہ اسلام دشمنی میں قریش مکہ نے مسلمانوں کا اُسی طرح تعاقب کیا جس طرح حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا کیا تھا۔ مزید یہ کہ وہ مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں کو اسلام دشمنی پر اُکساتے رہتے تھے اور خود حملہ کرنے کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حفاظتی دستوں کو گشت پر مقرر کرنا ایک ضروری امر تھا۔ (3)

خود بنفس نفیس بھی رسولؐ دستے لیکر نکلتے تھے۔ ان میں غزوہ ابوا، غزوہ بواط، غزوہ عشیرہ قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر دو گشتی دستوں کے دوران مقامی قبائل سے معاہدات بھی ہوئے۔ ان قبائلی معاہدوں سے اہل مدینہ کے وقار و تمکنت میں اضافہ کرنا مقصود تھا۔ یہ خیال غلط ہے کہ مدینہ میں ہجرت کے بعد مسلمان مکہ والوں کے ساتھ جنگ کے مواقع تلاش کرنے میں مصروف تھے اور یہ کہ وہ اپنے گشتی دستوں کی بدولت تجارتی قافلوں پر لوٹ مار کیا کرتے تھے اور یہ کہ بادیہ نشینوں کا روایتی پیشہ ہی لوٹ مار تھا۔ (4)

اہل مدینہ زراعت پیشہ لوگ تھے۔ وہ لڑائی کیلئے اس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتے تھے جب تک ان پر جنگ مسلط نہ کر دی جائے تاہم اہل مدینہ اس بات سے باخبر تھے کہ جس طرح اہل مکہ نے حبشہ جانے والے مسلمانوں کا تعاقب کیا تھا وہ مدینہ بھی اسی طرح پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا اس کیلئے نہ صرف ہوشیار رہنا ضروری تھا

بلکہ ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتے۔

ہجرت مدینہ جیسے واقعہ سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ حضورؐ جنگی ذہن نہ رکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو مکہ کی زندگی جو پچاس سالوں پر محیط تھی ایسا عملی نمونہ پیش کرتی، لیکن حضورؐ نے قریش کے ستانے پر اُن کو ان کی راہ پر چھوڑ دیا اور خود اپنا مولد ومسکن قربان کر دیا۔ اس پر بھی یہ الزام کہ اسلام تلوار سے پھیلا سراسر دھوکہ اور غلطی ہے اور غلطی ایسی جو دوسروں پر تھوپ دی جائے۔ یہ محض یہود اور مشرکین مکہ کی چال تھی انہوں نے مسلمانوں سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کیا بلکہ انہیں تنگ کرتے رہتے۔ نتیجۃ مسلمان تنگ آمد بجنگ آمد کی مثال بن گئے۔

اسلام عقیدہ کی حفاظت اور جان کی حفاظت کے علاوہ جنگ کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔ اس کا ثبوت عملی طور پر حضورؐ نے فراہم کیا۔

غزوہ بدر: (The Compaign of Badar)

ولقد نصر کم اللّٰہ ببدر (113:3)

مدینہ سے کچھ فاصلے پر بدر ایک گاؤں ہے۔ یہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا۔ مدینہ سے شام کے راستہ پر واقع اس گاؤں میں حق وباطل کی ایک ایسی لڑائی ہوئی جو مسلمانوں کی شان وشوکت، عزم وہمت، جلال واستقلال میں اضافہ کا سبب بن گئی۔ یہ لڑائی مسلمانوں میں اللہ کی مدد کا یقین پختہ کرتی ہے اور انہیں حوصلہ دیتی ہے کہ مشکل وقت میں گھبرانے کی بجائے اسباب تیار کئے جائیں اور مقابلہ کیا جائے۔

شبلی نعمانی کے بقول!

”قریش نے ہجرت مدینہ کے بعد شہر نبیؐ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی ہوئی تھیں۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کا چکر لگاتی رہتی تھیں۔ کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں میں غارتگری کر چکا تھا۔ مصارف جنگ کا بندوبست ہو رہا تھا۔ کاررواں

تجارت میں مکہ والوں نے تمام سرمایہ اُگل دیا تھا تا کہ جنگ کے اخراجات سے نمٹا جا سکے۔عورتوں نے بھی اس کاروبار میں اپنا حصہ ڈالا‘‘۔(5)

حضرمی کے قتل کا واقعہ اور یہ افواہ کہ مسلمان تجارتی قافلہ کو لوٹنے کے درپے ہیں قریش کے غیظ وغصب کو بھڑکاتی ہے۔ اتنا شور اٹھتا ہے کہ عرب کا ہر فرد مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

حضورؐ ان سب کارروائیوں سے باخبر رہتے تھے، آپؐ نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور اس صورتحال سے نبٹنے کی تجویز طلب کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے جان قربان کرنے کا عزم کیا، حضرت سعد بن عبادہ نے فرمایا: ''اے نبیؐ آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں''۔ حضرت مقداد نے کہا کہ ''ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا خدا خود لڑیں اور ہم یہاں بیٹھے ہیں'' مشورہ مکمل ہونے پر مسلمانوں نے مل کر شہر سے باہر لڑائی کا فیصلہ کیا۔ 12 رمضان المبارک 300 جانثاروں کا قافلہ شہر مدینہ سے روانہ ہوتا ہے۔ پانچ دن کے بعد 17 رمضان المبارک کو بدر پہنچتا ہے۔ یہ فوجیں آمنے سامنے ہونے کا دن ہے۔ مکہ والے بڑے کروفر کے ساتھ ایک ہزار لشکر لیکر نکل چکے تھے۔ روسائے قریش موجود ہیں ان میں عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، اُمیہ وغیرہ شامل ہیں، سالار لشکر عتبہ بن ربیعہ کو بنایا گیا تھا۔ قافلہ جس کی خاطر قریش لڑائی کیلئے گھروں سے نکلے تھے وہ باحفاظت خطرے سے نکل چکا تھا اس کے باوجود ابوجہل مدینہ پر حملہ کیلئے بضد تھا۔

مسلمان فوج پہلے تو ایک ریتلی جگہ خیمہ زن ہوئی۔ لیکن جب انہوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ کیا یہاں رہنا وحی الٰہی ہے جواب نہیں کی صورت ملنے پر حضرت خبابؓ نے مشورہ دیا کہ چشموں کے قریب ڈیرے ڈالے جائیں۔ آپؐ نے یہ تجویز پسند کی، حُسن اتفاق یا تائید ایزدی اس دن بارش ہوئی۔ جس سے مسلمانوں کی اخلاقی

قوت میں اضافہ ہوا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن خلق دیکھئے کہ آپؐ نے دشمنان اسلام کو بھی پانی سے نہ روکا۔ رات کا وقت آتا ہے نبی رحمت عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں جو کلمات ادا کرتے ہیں غور کے قابل ہیں:

''اے اللہ اگر یہ مٹھی بھر لوگ مغلوب ہو گئے تو قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی نہ ہوگا'' بارگاہ ایزدی سے نصرت کا وعدہ ہو چکا۔ ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں۔ تاہم یہ عالم عالم اسباب ہے فوجیں آراستہ ہوئیں علم حضرت مصعب بن عمیر کے حصے میں آیا۔ قریش کی فوجیں قریب آ رہی تھیں اور قریب آ رہی تھیں، عجیب منظر تھا، جان نثاری کا معرکہ تھا جو نظر آ رہے تھے وہ تھے اپنے جگر گوشے، ابوبکر کا بیٹا سامنے لشکر میں ہے، عتبہ کا بیٹا حذیفہ مسلمانوں کے لشکر میں ہے اسی طرح دوسرے عزیز واقرباء، رشتہ دار، دوست آمنے سامنے ہیں مگر معرکہ حق وباطل ہے، معرکہ کفر واسلام ہے، معرکہ نور وظلمت ہے، معرکہ خیر وشر ہے، سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کا شوق تھا آگے بڑھا، مگر حضرت عمرؓ کے غلام کے ہاتھوں مارا گیا۔

عتبہ میدان میں آ کر پکارتا ہے ساتھ اپنے بھائی اور بیٹے کو لئے ہوئے ہے۔ ادھر سے تین انصاری حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ للکارتے ہیں دشمن ڈر کے مارے کہتے ہیں یہ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ حضورؐ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو آگے کرتے ہیں۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے، ولید حضرت علیؓ سے شیبہ حضرت عبیدہؓ سے مقابل ہوتے ہیں۔ سرداران مکہ عتبہ اور ولید قتل ہوئے تاہم شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا۔ اس پر عام حملہ شروع ہو گیا معوذؓ اور معاذؓ دو انصار اس تاک میں تھے کہ ابوجہل نظر آئے تو اس کا سر تن سے جدا کیا جائے، کیونکہ وہ دشمن اسلام اللہ کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتا تھا۔ نظر آنے پر دونوں باز کی طرح جھپٹے اور اسے ڈھیر کر دیا۔ بدلہ لینے کیلئے ابوجہل کا

بیٹا عکرمہ آگے آیا تو اس نے معاذ کے شانے پر تلوار ماری اس سے اس کا بازو کٹ گیا۔ معاذ اسی حالت میں لٹکے ہوئے بازو کے ساتھ لڑتے رہے جب تسمہ تنگ کرتا نظر آیا تو اسے پاؤں کے نیچے جھٹک دیا۔ اللہ اللہ۔ یہ دلیری یہ شجاعت، یہ اولوالعزمی، یہ بہادری، یہ حمیت دین، اسی دوران ابوالبختری بھی مارا گیا۔ کفار کے بڑے بڑے سردار ڈھیر ہو گئے، سرداروں کو قتل ہوتا دیکھ کر دشمن اسلام کی فوج میں مایوسی اور بددلی پھیل گئی۔ انہوں نے اپنے آپ کو بے بس ظاہر کر دیا اس پر ان کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ابوجہل کا سر بھی کاٹ کر رسول اللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

اس لڑائی میں کفار مکہ کی شکست کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں ان میں باہم اتفاق کا نہ ہونا تھا۔ عتبہ لڑائی پر آمادہ نہ تھا مگر ابوجہل انہیں واپس نہ جانے دیتا تھا۔ ظاہری اسباب میں بارش نے کفار کے علاقہ میں دلدل مچا دی تھی جس سے لڑنا تو دور کی بات ان کا چلنا مشکل تھا۔

سب سے بڑی بات مسلمانوں کے حق میں تائید ایزدی تھی جس کا قرآن ایک جگہ یوں تذکرہ کرتا ہے۔

یرونہم مثلیہم رای العین (13:3)

وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے، جب ابولہب نے ابوسفیان بن حارث سے جنگ کا قصہ پوچھا وہ یوں مخاطب ہوا ''کچھ نہ پوچھئے چچا جان، ہمیں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا جو گورے گورے تھے اور سفید گھوڑوں پر سوار تھے جو آسمان اور زمین کے درمیان تھے واللہ وہ کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے اور کوئی چیز ان کے سامنے رک نہیں سکتی تھی۔ چچا عباس اور بھائی نوفل قید میں ہیں میں بچکر بھاگ آیا ہوں''۔ (6)

اس جنگ کے بعد کفار کی طاقت پر ضرب کاری لگی، ابولہب جنگ کی خبریں سن

کر بیمار ہوا اور مر گیا۔ اس لڑائی میں 70 لوگ لقمہ اجل بنے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔

گرفتار قیدیوں سے حُسن سلوک کا مظاہرہ کیا گیا انہیں وہی کھانا کھلایا جاتا جو مسلمان خود کھاتے۔

قیدیوں سے مسلمانوں کا یہ سلوک اتنا خوشگوار تھا کہ اسے تاریخ مذاہب میں سنہری حروف سے لکھا جانا چاہئے۔ قیدیوں سے فدیہ لیا گیا جو نہ دے سکتے تھے انہیں حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں یہ ان کا جزیہ تصور ہوا۔ اس دوران ایک واقعہ پیش آیا جو محمدؐ عربی کی صداقت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ عمیر بن وہب اور صفوان بن اُمیہ بدر کی شکست پر گفتگو کر رہے ہیں۔ صفوان کہتا ہے خدا کی قسم اب زندگی فضول ہے۔ عمیر کہتا ہے کہ اگر مجھے میرے بچوں اور گھر والوں کا خوف نہ ہوتا تو میں العیاذ باللہ محمدؐ کو قتل کر آتا۔ صفوان نے بچوں کی ذمہ داری قبول کی۔ دشمن اسلام تلوار اُٹھاتا ہے، مدینہ پہنچتا ہے، عمرؓ سے ملاقات ہوتی ہے۔ عمرؓ اس کی گردن دبوچ کر دین و دنیا کے رہبر رسول اللہ ﷺ کے پاس لاتا ہے رسول اللہ ﷺ پوچھتے ہیں کیا امر ہے؟ کہتا ہے ''بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں'' پوچھا گیا ''تلوار کیونکر'' جواب ملا ''تلوار کا کیا کام ہوتا ہے'' حضورؐ نے فرمایا ''کیا تم نے اور صفوان نے میرے قتل کی سازش نہیں کی'' ''فبھت الذی کفر'' پس حیران ہو گیا، ششدر رہ گیا، '' کہنے لگا یہ خبر تو آپ کو معلوم نہ ہونی چاہئے تھی یہ تو صرف ہم دو کے درمیان تھی'' معلوم ہوا کہ اللہ اپنے بندوں کی ''لاج'' رکھتا ہے۔ حضرت عمیر مسلمان ہو کر اسلام کی دعوت عام کرتے ہیں۔ (7)

قرآن مجید اس غزوہ کی جو تصویر کشی کرتا ہے اُسے ملاحظہ کریں۔

''مومن وہ ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو اُن کے دل دہل جائیں اور اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جائے، وہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو خدا نے اُن کو روزی دی ہے وہ راہ خدا

پر خرچ کرتے ہیں، یہ سچے مومن ہیں ان کے لئے خدا کے پاس رتبے ہیں، بخشش ہے اچھی روزی ہے۔ جس طرح اے پیغمبر تیرا خدا تُجھ کو حق پر تیرے گھر سے (بدر تک) نکال لایا۔ حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔ یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے بغیر تجھ سے جھگڑا کرتے تھے، گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے تھے اور موت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور خدا تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت تم کو ہاتھ آئے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم کو ہاتھ آئے اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"۔(7-2:8)

اس جنگ کے جو اثرات مرتب ہوئے اُن میں بڑی چیز یہ تھی کہ مسلمانوں کی کفار پر دھاک بیٹھ گئی۔ دوسری طرف کفار کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں آ گئی۔

ابوسفیان نے منت مانی کہ وہ جب تک مقتولان بدر کا انتقام نہ لے گا چین سے نہ بیٹھے گا وہ نہ غسل جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ اسی غصہ میں وہ دو سو شتر سواروں کا دستہ تیار کرتا ہے ایک یہودی سردار اُس کی دعوت کرتا ہے اور مدینہ کے راز بتاتا ہے۔ دوسری صبح وہ مدینہ سے تین میل دور کے علاقے عُریض پر حملہ کرتا ہے۔ حضورؐ نے تعاقب کیا تو وہ اپنا سامان رسد جو ستو کی شکل میں تھا چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہ غزوہ سویق کہلایا۔

انہی سالوں میں حضرت فاطمہؓ کی شادی ہوئی۔ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے، صدقہ عیدالفطر کا حکم دیا گیا، عیدالفطر کی نماز باجماعت ہوئی۔(8)

غزوہ اُحد (3ھ):(The Compaign of Uhad)

واذ غدوت من اهلک تبوی المومنین مقاعد للقتال

(121:3)

"یاد کرو جب تم اپنے گھر سے نکل کر میدان اُحد میں مومنین کو لڑائی کیلئے مقرر کر رہے تھے"۔

تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ کفار مکہ کے دلوں سے بدر کی شکست کا غم نہ نکل سکا۔ ظاہر ہے جس لڑائی میں اُن کے سردار مارے گئے ہوں، جس لڑائی میں عورتوں کے سرتاج تہ تیغ ہو گئے ہوں جن کی موت پر وہ مرثیہ خواں ہوں اپنے سینے پیٹتی ہوں، اپنے بال نوچتی ہوں، اُس جنگ کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر وقت آنے جانے والوں سے مسلمانوں سے انتقام لینے کی قسمیں لیتی ہوں اور انگلیاں دانتوں میں دبا کر لوگوں کو محو حیرت کرتی ہوں، وہاں جوش انتقام کیسے ٹھنڈا ہو؟

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جو منافع کما کر لایا، طے پایا کہ اس سے سامان حرب خریدا جائے اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم تیز کی جائے۔ اس کیلئے شعراء کی شاعری خریدی جائے، عورتوں کو مردوں کے جذبات بھڑکانے میں استعمال کیا جائے، لیکن اللہ اپنے بندوں کی مدد خود فرماتا ہے۔ اس دفعہ حضرت عباس کی شکل میں جو ابھی مکہ میں تھے مگر دل اپنے بھتیجے کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ کفار مکہ کی تازہ جنونیت، انکے لشکر کی تعداد اور سامان جنگ کی مکمل آگہی سے اہل مدینہ کو خبردار کرتے ہیں۔

لشکر کفار مکہ سے روانہ ہے، ابواء کے مقام پر پہنچتا ہے حضرت آمنہؓ کی قبر کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے مگر ابوبکر اور بنوخزاعہ کا خوف آتے ہی ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ مدینہ منورہ کے قریب 5 میل پہلے اُحد نامی پہاڑی کے قریب خیمہ زن ہو جاتا ہے۔(9)

دوسری جانب اللہ کا رسول ﷺ بھی تیار ہے۔ ابتدائی اقدامات کے بعد جب تسلی ہو جاتی ہے کہ قریش مکہ مدینہ پر حملے کیلئے پہنچ چکے ہیں ان کے اونٹ اور گھوڑے شہر مدینہ کے قریبی کھیتوں میں چر رہے ہیں۔ آپؐ اپنے "صائب الرائے"

اصحاب کو طلب فرماتے ہیں اور مشورہ طلب کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی رائے ہے کہ مہاجرین شہر سے باہر نکل کر حفاظت کریں اہل مدینہ ابھی شہر میں رہیں اور وقت کا انتظار کریں۔

مگر منافقین کا سردار اُبی کہتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ قلعہ میں بند کر دیا جائے۔ شہر سے باہر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں قائم کر دی جائیں۔

زندہ دل مسلمان بدر کی لڑائی میں اللہ کی مدد بروقت آتی ہوئی دیکھ چکے تھے اس کے علاوہ وہ لوگ جو محروم رہ گئے تھے اُنکے اندر یہ جذبہ موجزن تھا کہ کسی طرح وہ بھی راہ خدا میں اپنے خون کا کچھ نہ کچھ حصہ بہا دیں۔ شوق شہادت اتنا زیادہ تھا کہ وہ شہر میں بند فیصلے کو بزدلی پر قیاس کرتے تھے وہ میدان میں لڑنا چاہتے تھے۔

"They were ready to stirve in the Battlefiled".

مسلمانوں کے عقائد پختہ اور ارادے مصمم تھے۔ قرآن مجید ایسے لوگوں کے بارے میں کہتا ہے۔

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر قائم رہے اُن پر فرشتے اُتریں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں خوشی مناؤ، ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے رفیق ہیں''۔(30:41)

رسول اللہ ﷺ نے جب نوجوانوں اور بوڑھوں کی تقریریں سُنیں اور ان میں ولولہ جہاد نمایاں پایا تو اعلان کیا کہ جنگ شہر سے باہر لڑی جائے گی۔ اور کہا ''مسلمانو! اگر تم صبر و استقامت سے لڑو گے تو فتح تمہاری ہوگی''۔ حضورؐ نے زرہ پہنی، تلوار حمائل کی اور لڑائی کیلئے تیار ہو کر گھر سے باہر نکل آئے۔(10)

مسلمان سوئے اُحد چلے راستہ میں قریب ہی یہود اور منافقین کے دستے بھی

پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے لیکن موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح واپسی کا راستہ نکل آئے۔ یہ دونوں گروپ پیچھے رہ گئے خالص اور سچے مجاہدین جبل اُحد پہنچ گئے، صفیں آراستہ کی گئیں، درہ کی جانب پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ تعینات کرنا ضروری تھا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر دے۔ ایسا دستہ تعینات کرتے وقت انکو سخت ہدایت دی گئی کہ فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہٹیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اِن تیر اندازوں پر انچارج مقرر ہوئے۔

قریش مکہ نے بقول شبلی نعمانی اپنی عورتوں کو جنگ کا نغمہ سنانے اور خون کا انتقام لینے کے اعلان کے ساتھ آگے کیا۔ انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

نحن بنات طارق — ہم آسمانوں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں

نمشی علی النمارق — ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں

ان تقبلوا نعانق — اگر تم بڑھ کر لڑو گے ہم گلے لگائیں گی

او تُدبروا نفارق — اگر پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی

لڑائی کا آغاز ہوا۔ ابو عامر نے اپنی پارسائی کی شہرت آزمانے کیلئے اہل مدینہ کو بلایا اُنہوں نے سختی سے جھڑک دیا۔

قریش نے اپنے علمبردار طلحہ کو بھیجا جس کا کام حضرت علیؓ نے تمام کر دیا۔ طلحہ کا بھائی جوش جذبہ سے عورتوں کے چنگل میں آگے بڑھا۔ مگر حضرت حمزہؓ کا ایک وار نہ سہہ سکا۔

عام جنگ کا اعلان ہوا تو حضرت طلحہؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ لاشوں کے انبار لگ گئے۔

کفار بھی جوش و جذبہ سے لڑ رہے تھے۔ ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے علم کو ہاتھ سے نہ گرنے دیتے، صوار نامی شخص سے علم گر گیا تو ایک خاتون عمرہ بنت علقمہ نے

آگے بڑھ کر اس کو اُٹھا لیا۔ حضرت حنظلہؓ نے ابوسفیان پر حملہ کیا لیکن دوسری طرف سے شداد بن الاسود نے حملہ کر کے حضرت حنظلہؓ کو شہید کر دیا۔ مسلمانوں کے قدم جمے ہوئے تھے ان کے بے پناہ حملوں کی وجہ سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے کفار بدحواسی کے عالم میں بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔ تیر اندازوں کا دستہ حضور پرنورؐ کی ہدایت بالائے طاق رکھتے ہوئے اس مال غنیمت کی طرف بڑھ گیا، تیر اندازوں کی جگہ خالی ہو گئی تھی۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا خالد نے عقب سے حملہ کر دیا، لوگ مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے جب اُن پر تلواریں برسیں تو انکو سمجھ نہ آئی یہاں تک بعض آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اس دوران حضرت مصعب بن عمیرؓ جو حضورؐ سے شکل میں مماثل تھے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ہر سو شور مچ گیا کہ اللہ کے نبیؐ شہید ہو گئے بس پھر کیا تھا عام بددلی پھیل گئی۔ وہ مخمصے کا شکار ہو گئے۔ ذہن ماؤف ہو گئے، اعضاء شل ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے فتح شکست میں بدل گئی۔ قریش عورتوں کی بن آئی وہ خوشی کے مارے شراب میں مدہوش ہو کر بربریت پر اُتر آئیں۔ مسلمان شہداء کی لاشوں پر گدھوں کی طرح پل پڑیں۔ اُنکے پیٹ چاک کر دیے، ناک کان کاٹ کر ہار بنائے، ہندہ نے حضرت حمزہ کی لاش کی بے حرمتی کی، کلیجہ چباتی رہی اور کہتی تھی: ''میں نے اُحد میں حمزہ سے اپنا دل خوب ٹھنڈا کر لیا، پیٹ چاک کر کے اُس کا کلیجہ تک نکال لیا، اب میرے جان لیوا رنج و غم کی وہ سخت ٹھیس ختم ہو گئی، جو میں اپنے سینہ میں محسوس کیا کرتی تھی۔ (11)

مطلع صاف ہوا تو حضورؐ خود سامنے نظر آنے لگے۔ حضرت کعبؓ کی پہلی نظر آپؐ پر پڑی تو اعلان ہوا کہ ''مسلمانو! حضورؐ ہم میں موجود ہیں'' یہ سن کر جان نثار اکٹھے ہو گئے اور ایک مرتبہ پھر کفار مکہ پر بڑا حملہ کیا۔ عبداللہ بن قمیہ قریشی نے حضورؐ پر حملہ کر دیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری اس سے حضورؐ کے دانت شہید ہو گئے۔ ایسی صورتحال

میں بھی رسول اللہ ﷺ ثابت قدم تھے وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے پیچھا کیا اور فوج لیکر پہاڑی پر چڑھ گیا، مگر حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کے ہاتھوں پتھر کھا کر واپس ہو گیا۔ دوسری طرف جا کر آواز لگائی کہ کیا ادھر محمدؐ ہیں؟ اس پر انہیں کوئی جواب نہ دیا گیا۔ اُس نے کہا ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں؟ آواز نہ آئی تو خود پکارا ''سب مارے گئے'' اس پر عمرؓ نے جواب دیا اے دشمن دین ہم سب موجود ہیں۔ پھر ان دو کے درمیان مکالمہ ہوا۔ ابوسفیان یہ کہہ کر چلا گیا ''آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے''۔ (12)

دوسری طرف مسلم عورتوں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا، اُنہوں نے زخمیوں کو پانی پلایا اور تیمار داری کی۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے حضورؐ پر ابن قمیہ کے وار بھی روکے۔

انصاری خاتون عفیفہؓ کا باپ، بھائی اور شوہر اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ مگر وہ صرف حضورؐ کی خیریت پوچھتی رہیں جب اُنہیں تسلی ہوئی تو کہا! میں اور میرے باپ، بھائی اور شوہر سب حضورؐ پر قربان ہیں۔

اس غزوہ میں ستر (70) مسلمان شہید ہوئے۔ مسلمانوں کی تنگ دستی کی یہ حالت تھی کہ وہ لاشوں پر کپڑا بھی نہ ڈال سکتے تھے بعد میں یہ منظر جب بھی مسلمانوں کو یاد آتا تو وہ رو دیتے۔ جب کچھ میدان صاف ہو گیا تو دیکھا کہ مسلمان خون سے لتھڑے پڑے ہیں۔ زخموں سے چور ہیں، سارے دن کی جنگ سے نڈھال ہیں لیکن اللہ کی راہ میں شہادت کی خواہش اتنی ہے کہ ایک دفعہ جب اللہ کے رسولؐ نے کہا کہ ابوسفیان کے پیچھے کون جائے گا۔ ابوبکرؓ سمیت 70 صحابہؓ تیار تھے۔

جب مسلمان مدینہ واپس پہنچے تو جس طرف سے گزرتے، گھروں سے ماتم کی آوازیں آتیں، سب اپنے عزیز واقارب کو یاد کر رہے تھے مگر حمزہؓ کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا، اس پر حضورؐ پر رقت طاری ہو گئی۔ انصاریوں نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ

''حضرت حمزہؓ کا نوحہ کرو'' جب حضورؐ نے یہ منظر دیکھا کہ سب عورتیں حضرت حمزہؓ کا بین کر رہی ہیں تو آپؐ نے پہلے تو ان کا شکریہ ادا کیا پھر کہا کہ اے مسلمانو! مُردوں پر نوحہ جائز نہیں۔

عرب کے دستور میں جو رسم چلی آ رہی تھی کہ وہ نوحہ اور بین کرتے، عورتیں اپنے کپڑے پھاڑ لیتیں، گال نوچتیں، چیختیں چلاتیں، اس طرح رسم بد کے خاتمہ کا اعلان ہوا۔

اس جنگ سے مسلمانوں کو شدید پریشانی اُٹھانی پڑی، اس جنگ سے سبق یہ دیا جانا مقصود تھا کہ اطاعت امیر لازم ہے ورنہ بہت نقصان ہوتا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کیلئے کچھ اعلانات ہوئے۔ مثلاً وراثت کا قانون نازل ہوا، مشرکہ سے نکاح کی اجازت منسوخ ہوئی۔ امام حسنؓ کی ولادت ہوئی۔ حضورؐ کا حفصہؓ اور اُم المساکینؓ سے نکاح ہوا۔

حضرت حفصہؓ اور اُم المساکینؓ سے شادی:

حضرت حفصہؓ عمرؓ کی بیٹی تھیں۔ ان کی شادی خنیس بن حزافہؓ سے ہوئی تھی۔ خنیسؓ نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی، انتہائی زخمی ہو کر شہادت کا رُتبہ حاصل کر چکے تھے، حضورؐ نے اُن سے نکاح کیا۔ حضرت حفصہؓ نے 45ھ میں امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔

آپؐ نے اُم المساکینؓ کو بھی اپنی زوجیت میں لیا۔ آپ کو اُم المساکینؓ اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانے میں مشہور تھیں۔ حضورؐ کے نکاح میں آنے سے قبل آپ عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ نے جنگ اُحد میں شہادت پائی۔ حضورؐ نے ان سے نکاح کیا مگر تین ماہ زندہ رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ ان کی نماز جنازہ حضورؐ نے خود پڑھائی۔

اُحد اور خندق کے درمیانی واقعات:

(The Events between Uhad and Khandaq)

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ میدان اُحد میں مسلمانوں کی ایک قسم کی ناکامی سے قریش، یہود اور دیگر قبائل کو حوصلہ ملا جس سے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کی پہلے والی ہیبت جاتی رہی، وہ دوسرے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف اُکسانے میں کامیاب ہو گئے۔ اُن کی مکارانہ چالوں، عداوتوں اور سازشوں کی وجہ سے تاریخ اسلام کے ورق سرخ ہو گئے۔ بے شمار مواقع پر انہوں نے مسلمانوں کو آمادہ جنگ کیا۔ حضورؐ نے اپنی سیاسی حکمت عملی کی بدولت کفار، یہود اور منافقین کو پے در پے شکست دی جس کی وجہ سے اسلام آج دنیا کے کونے کونے میں ہمیں نظر آتا ہے۔

جنگ خندق سے قبل چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آئے، جن کا تذکرہ کئے بغیر گزر جانا واقعات کے تسلسل سے روگردانی ہوگا۔

اس سلسلہ میں طلحہ اور مسلمہ جو خویلد کے بیٹے تھے۔ اُنہوں نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا لیکن حضورؐ کو جب خبر ملی تو آپؐ نے حضرت ابوسلمہؓ کو 150 مسلمانوں کے ساتھ روانہ کیا اور ان پر حملہ کر کے اُنہیں تتر بتر کر دیا۔

ابھی چند دن نہ گزرے تھے کہ سفیان ہذلی کے بارے میں علم ہوا کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے حضورؐ نے عبداللہ بن اُنیس کو بھیجا جنہوں نے سفیان کو قتل کر کے اُس کا سر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔(13)

بئر معونہ: (The Battle of Bir Maunah)

سیرت النبیؐ میں واقعہ بئر معونہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ صفر 4ھ میں ابو براء کلابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے ساتھ چند آدمی بھیجیں جو میری قوم کو دعوت اسلام دیں۔ حضورؐ نے 70 آدمیوں پر مشتمل ایک وفد

ساتھ کیا یہ نہایت درویش صفت لوگ تھے مگر عامر بن طفیل رئیس قبیلہ نے ان سب کو قتل کر دیا۔ حضورؐ کو اس خبر پر اتنا صدمہ پہنچا کہ مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ (14) روایت کے مطابق شہداء کے حق میں ایک آیت نازل ہوئی جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔ "بلغوا قوماً عنا فلقينا ربنا فرضينا عنا" (تفسیر طبری)

واقعہ رجیع: *(The Event of Raji)*

اس طرح کا واقعہ مقام رجیع پر پیش آیا۔ عضل اور قارہ کے دو قبیلوں نے حضورؐ کو چند لوگوں کے بھیجنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جو انہیں احکام اسلام سکھائیں۔ حضورؐ نے ایک دفعہ پھر اپنی سادہ دلی کا مظاہرہ کیا اور دس اشخاص کو حضرت عاصم بن ثابت کی سرکردگی میں روانہ کیا لیکن بدعہدوں نے ان کو بھی قتل کر ڈالا۔ (15)

واقعات متفرقہ (4ھ): *(Different Events)*

1- حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی۔

2- حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم ملا۔

3- ایک یہودی کے مقدمہ میں اُسے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا۔

حضرت اُم سلمہؓ سے نکاح:

(The Marriage with Umm Salamah)

اُم سلمہ ہجرت حبشہ کرنے والوں میں سے تھیں۔ عبداللہ بن عبدالاسدؓ کے نکاح میں تھیں۔ یہ بھی غزوہ اُحد میں زخموں کی تاب نہ لا کر فوت ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے نکاح کرنا چاہا تو اُنہوں نے چند عذر پیش کئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب زحمتوں کو گوارہ کیا۔ حضرت عائشہؓ کے بعد فضل وکمال میں ان کا رتبہ بلند ہے۔ (16)

یہودی سازش (بنی قینقاع):

(The Jews conspiracy against Muhammad)

یہود کے تین قبیلے قینقاع، نضیر، قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ یہ لوگ پرلے درجے کے سازشی تھے، مسلمانوں کے خلاف کینہ اور عداوت ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قبیلہ قینقاع زرگری کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس لئے ان کے پاس اموال جنگ باافراط موجود تھے۔ یہ لوگ سود خور تھے (اب تک ان کی فطرت میں یہی بات لکھی ہے پوری دنیا کو سودی نظام میں انہوں نے جکڑا ہوا ہے) بوجوہ ان سے لڑائی ہوئی۔ یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ آخرکار فیصلہ ہوا کہ اگر وہ جلاوطن ہو جائیں تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ یہ لوگ شام کی جانب چلے گئے۔

بنی نضیر:

رجیع اور معونہ کے واقعات نے یہودی سازشوں میں اضافہ کر دیا، ان کی جرات وہمت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے حضورؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا اس سے قبل بھی یہ سلام کے صحیح طریقہ کے برعکس السام علیک کہتے تھے جس کا مطلب ہے "تجھ کو موت آئے"۔

ایک دفعہ حضورؐ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ یہود کے ہاں تشریف لے گئے۔ کیونکہ یہود کے ساتھ آپؐ کا معاہدہ تھا اس لئے اُن سے بنو کلاب کے دو مقتولین کی دیت کے سلسلہ میں حصہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ابوالقاسم! آپ یہاں تشریف رکھیں ہم آتے ہیں۔ حضورؐ ایک دیوار کی ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہود پر شیطان سوار ہو گیا انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ کیوں نہ حضورؐ کا کام تمام کر دیا جائے۔ عمرو بن جحش نے چکی کا پاٹ اوپر سے گرانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اللہ نے اپنے بندے کو اُن کے ارادوں سے خبردار کر دیا۔ آپؐ وہاں سے اٹھ گئے اور مسلمانوں کو یہود کے ارادے سے

آگاہ کیا۔(17)

حضورؐ نے یہود کو نوٹس دیا کہ وہ دس دن کے اندر اندر اپنی بستی سے نکل جائیں ورنہ اُن کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ منافقین کے سردار نے اُن کو کہا کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ بستی سے نکل نہ کھڑے ہوں۔ اگر کچھ ہوا تو ہم بھی ساتھ نکلیں گے چنانچہ یہود نے نوٹس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں رہنے کا اعلان کر دیا۔

اس پر اُن کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ایک ہفتہ تک محاصرہ جاری رہا یہود اپنے قلعوں میں بند ہو گئے۔ نہ منافقین نے ساتھ دیا نہ یہود کے دوسرے قبیلے بنو قریظہ نے ساتھ دیا۔ یہ اپنے قلعوں سے تیروں کی بارش کرتے تھے وہ اپنے باغات میں کھجوروں کی آڑ بھی لیتے، اس پر حضورؐ نے خاص قسم کی کھجور "لینۃ" کو کاٹنے کا حکم دیا اس کا قرآن کی سورۃ حشر میں مکمل ذکر ہے۔ "وما قطعتم من لینۃ او تر کتموھا" یہود نے تنگ آ کر محاصرہ ختم کرنے کا اعلان کیا اور شہر سے نکلنے کا حکم مان لیا۔ حضورؐ نے ان کو سوائے سامان جنگ کے باقی سب کچھ ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سب اپنے گھروں کو چھوڑ گئے سوائے دو افراد کے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ سلام بن ابی الحقیقؓ، حیَیّ بن اخطبؓ خیبر چلے گئے۔ خیبر کی فتح اس داستان کا خاتمہ ثابت ہوئی۔

بقول شبلی بنو نضیر اس شان سے نکلے کہ جشن کا سماں تھا۔ وہ اونٹوں پر سوار تھے ان کی عورتیں دف گا رہی تھیں اور شاعری کر رہی تھیں۔ (18) حالانکہ شکست خوردہ تھے۔

اس پورے غزوے کی داستان اللہ تعالیٰ نے سورۃ حشر میں نازل فرمائی۔ اس غزوہ کے بعد مال فئے کے احکامات نازل ہوئے، مہاجرین اور انصار کی ستائش بیان

ہوئی اہل ایمان کو تقویٰ اور آخرت کی تیاری کی تاکید کی گئی۔

اس غزوہ سے مسلمانوں کا اقتدار مضبوط ہو گیا، منافقین پر بددلی چھا گئی۔ مگر مختلف قبائل برابر للکارتے رہے۔

غزوہ دومۃ الجندل:(Compaign of Dumat al-Jandal)

25 ربیع الاول 5ھ میں خبر آئی کہ دومۃ الجندل میں کفار کا ایک عظیم الشان لشکر جمع ہو رہا ہے اور یہ لوگ اردگرد کے قبائل اور قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ آپؐ نے ایک ہزار اصحاب پر مشتمل لشکر روانہ کیا۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے دن کو آرام کرتے۔ چنانچہ جب وہاں پہنچے تو یہ دشمن غائب تھا۔ تاہم کچھ مال مویشی ہاتھ آ گئے۔ لشکری چند دن قیام فرما کر واپس مدینہ پلٹ آئے۔(19)

نبی پاکؐ کے حکیمانہ اقدامات کی بدولت وقت کی رفتار کا رخ مسلمانوں کے حق میں ہو رہا تھا۔ وہ اگرچہ مسائل ومشکلات میں ابھی گھرے ہوئے تھے لیکن منافقین اور یہود پر اُنکا کافی حد تک رعب ودبدبہ قائم ہو چکا تھا۔ اسی اثناء میں بنی مصطلق کا واقعہ پیش آیا۔

غزوہ بنی مصطلق یا مریسیع (5ھ شعبان المعظم):

(The Compaign of Muraisay / Banu al Mustaliq)

قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان بنوالمصطلق تھا جو مقام مریسیع میں آباد تھا۔ ان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔ یہ لوگ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی سوچ رہے تھے آپؐ کو علم ہوا تو فوجیں روانہ کیں۔ وہاں پہنچے پر علم ہوا کہ ان کی جمیعت منتشر ہو گئی۔ مگر اپنی جھوٹی انا کو قائم رکھنے کیلئے کچھ لوگ تیر برسانا شروع ہو گئے۔ مسلمانوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تو اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہاں سے کافی مال واسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس میں دو ہزار اونٹ اور چار ہزار بکریاں تھیں۔ قیدیوں میں حضرت جویریہ بھی شامل

تھیں۔ یہ غزوہ جنگی نقطہ نظر سے کم اہم ہے لیکن اس کے نتیجے میں منافقین کا پردہ چاک ہوا۔ (20)

حضرت جویریہ کا واقعہ: **(Hazrat Jawariya)**

حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ اس لڑائی میں گرفتار ہوئی۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ حضرت جویریہ حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے مکاتبت کرلی۔ مکاتبت کے پیسے اکٹھے کرتے کرتے وہ حضورؐ کے پاس جا پہنچیں۔ آپؐ نے کہا کہ اگر اس سے بہتر برتاؤ تمہارے ساتھ ہو تو قبول کرلو گی انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ آپؐ نے انہیں زوجیت میں لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت جویریہ نے قبول کرلیا۔ حضورؐ نے وہ رقم ادا کردی اور یوں شادی طے ہوئی۔

اس کے برعکس ایک اور واقعہ میں حضرت جویریہ کی گرفتاری پر حارث خود حضورؐ کے پاس حاضر ہوا اور اس کی آزادی کی درخواست کی۔ آپؐ نے جویریہ پر معاملہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ آپؐ نے ان سے شادی کرلی۔ (21)

اس نکاح کی بدولت تمام اسیران جنگ رہا ہوئے کیونکہ فیصلہ ہوا کہ جس خاندان میں نبیؐ شادی کرلیں انہیں غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ اس غزوہ سے واپسی پر ایک واقعہ پیش آیا جس نے منافقین پر مزید ضرب کاری لگائی اور حضرت عائشہ کی برات نازل ہوئی اسے واقعہ افک کہتے ہیں۔

واقعہ افک: **(The Gossip against Aisha)**

سورۃ نور میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ دس آیات ہیں جو ان الذین جاء وا بالافک سے شروع ہوتی ہیں۔

یہ واقعہ حضرت عائشہ کی برات کا ذکر کرتا ہے۔ وہ تہمت جو منافقین نے آپؓ

پر لگائی تھی قرآن نے جواب دیا کہ یہ بالکل افتراء ہے۔ آپ لوگوں نے سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا؟ کہ یہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔

موجودہ مغربی سکالرز اس واقعہ کو بخاص ذکر کرتے ہیں اور دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ جب قرآن مجید کی برات واضح ہو جائے تو کسی کو دم مارنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس واقعہ کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش کو اسی اسی کوڑے مارے گئے کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق جو آدمی کسی عورت پر بدفعلی کی تہمت لگائے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے 80 کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اسے اصطلاح شرع میں قذف کہتے ہیں۔

ادھر یہود ومنافقین اس قسم کی شورشوں میں مصروف تھے۔ دوسری طرف قریش مکہ کو چین نصیب نہ تھا اس بار انہوں نے ادھر اُدھر سے تمام قبائل کو لالچ دیکر مسلمانوں کے خلاف حملہ کیلیئے اُکسایا۔

غزوہ احزاب یا خندق: (The Compaign of Khandaq)

اذ جاء تكم جُنود فارسلنا عليهم ريحاً وجُنوداً لم تروها

(9:33)

''جب تم پر فوجیں آپڑیں۔ تو ہم نے اُن پر آندھی اور فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھی''۔

یہود وقریش اپنی سازشوں سے باز نہ آئے۔ دونوں نے ملکر اسلام کے استیصال کا منصوبہ تیار کیا اور اردگرد کے قبائل کو لالچ دیکر اکٹھا کر لیا۔

اہل مکہ، اہل خیبر، بنو اسد، بنو غطفان، بنو سلیم، بنو سعد سب اکٹھے ہو کر ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف بڑھتے ہیں۔

حضورؐ نے یہ خبر سُنی کہ تمام عرب اُن کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے تو آپؐ نے حسب معمول صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے ایرانی طریقہ جنگ متعارف کراتے ہوئے رائے دی کہ اے اللہ کے رسولؐ! ''فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے''۔ حضورؐ نے اس تجویز کو پسند کیا اور خندق کھودنے پر افراد کو مامور کیا اور بنفس نفیس اس میں شریک ہوئے۔ آپؐ نے خندق کیلئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا کہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ وہ اتنی بہترین جگہ تھی کہ آج بھی کوئی بڑے سے بڑا جنرل مدینے میں اس سے بہتر کسی جگہ کا انتخاب نہ کرسکتا۔ (22)

آپؐ خندق بھی کھودتے اور مہاجرین وانصار کی بخشش کی دعا بھی فرماتے۔

سبحان اللہ ''میرا پیغمبرؐ عظیم تر ہے'' دعا کے الفاظ یہ تھے۔

اللھم لا عیش الا عیش الآخرہ: فاغفر للانصار والمھاجرۃ

''اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ پس مہاجرین اور انصار کو بخش دے''

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت پتھر سے کدال جا ٹکرائے۔ رسول اللہ ﷺ کی مدد طلب کی گئی۔ آپ اگرچہ تین دن سے پیٹ پر پتھر باندھے تھے مگر قوت اتنی تھی کہ وہ پتھریلی چٹان ایک وار نہ سہ سکی اور خاک ہوگئی۔

خندق شہر کے ایک طرف تیار ہوگئی۔ بنو قریظہ کے یہودیوں سے خطرہ تھا اس لئے مستورات کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا گیا اور حضرت سلمہ بن اسلم کو 200 آدمی دیکر انکی نگرانی میں دے دیا گیا۔

قریش ہر طرف سے لشکر لیکر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

اذ جاء وکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذا زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ○ ھنالک ابتلی المومنین وزلزلوا زلزالاً شدیداً (10-11)

حضورؐ نے اس کے مقابلے میں تین ہزار مسلمانوں کو حملہ کیلیے تیار کیا کو وہ سلع کو پشت پر رکھا اور لڑائی کیلیے تیار ہو گئے۔ فوج اسلام میں منافقین بھی موجود تھے مگر اسلام دشمنی نے جلد ہی انہیں حیلے بہانے کرنے پر مجبور کر دیا۔ کہنے لگے ہمارے تو گھروں کے دروازے کھلے رہ گئے ہیں ہمیں واپس جانے کی اجازت دیں مگر اللہ نے ان کا راز فاش کر دیا۔ فرمایا:

یقُولون ان بیوتنا عورۃ وماھی بعورۃ ان یریدون الا فراراً

"وہ کہتے ہیں ہمارے گھروں کے دروازے کھلے رہ گئے۔ وہ کھلے نہیں رہ گئے مگر وہ فرار چاہتے ہیں"۔(13:33)

منافقین کے برعکس لشکر اسلام نے جب احزاب کو دیکھا تو کہا:

"یہی تو وہ چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اسکے رسولؐ نے سچ ہی فرمایا تھا اس حالت نے اُنکے ایمان اور جذبہ کو بڑھا دیا"۔(22:33)

ایک مہینہ محاصرہ جاری رہا۔ فاقوں پر فاقے ہو رہے تھے۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے مارے بھوک کے شکایت کی آپؐ نے اپنا شکم کھول کر دکھایا کہ ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے۔ جنگ کی عملی صورتحال یہ تھی کہ محاصرین خندق عبور نہ کر سکتے تھے دور سے پتھر اور تیر برساتے رہتے تھے۔ ایک دن ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب نے فیصلہ کیا کہ اکٹھے حملہ کیا جائے۔ ایک جگہ سے خندق کم چوڑی تھی۔ چنانچہ عمرو بن عبدود خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے اجازت

چاہی حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے تلوار عطا کی۔ مقابلہ ہوا مگر کافر کب حضرت علیؓ کے وار سے بچ سکتا تھا۔ کام تمام ہوا، عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ آگے بڑھے تو ان کا کام بھی تمام کر دیا گیا۔

یہ دن لڑائی کی شدت کا زور تھا۔ تیروں کی بارش دونوں طرف سے جاری تھی۔ اس دن ہمارے نبیؐ کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔ (23)

حیی بن اخطب جو کہ بنو نضیر کے سردار تھے مسلمانوں کے خلاف ایک آخری داؤ پیچ کھیلنے پر تیار ہو گئے۔ انہوں نے کعب سردار بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے چکنی چوپڑی باتوں میں لگالیا۔ اس طرح کعب نے وہ تحریری معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا جو اُس کے اور مسلمانوں کے درمیان تھا۔ حضور پرنورؐ کو جب معلوم ہوا تو آپؐ نے ایک وفد بھیجا جو صحیح صورتحال کا پتہ چلائے وفد کی واپسی پر معلوم ہوا کہ بات بالکل سچی ہے۔ آپ کو بہت افسوس ہوا کیونکہ اس سے خطرات بڑھ گئے تھے۔ بظاہر مسلمانوں کو چاروں طرف مصیبتوں نے گھیر لیا تھا۔ منافقین بھی برملا اظہار کرنے لگے کہ ایک طرف تو کسریٰ اور قیصر کے خزانوں پر قابض ہونے کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ہم قضائے حاجت کیلئے باہر نہیں نکل سکتے۔

مدینہ میں یہ ہوا کہ جس قلعہ میں عورتیں بند تھیں اس پر یہود نے حملہ کر دیا۔ ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ حضرت صفیہ حضورؐ کی پھوپھی نے دیکھ کر خیمہ کی ایک چوب نکالی اس سے یہودی کا کام تمام کر دیا۔

اب تائید خداوندی کا وقت آن پہنچا۔ سردی کا موسم تھا اس زور کا طوفان چلا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ دیگیں اُلٹ پلٹ ہو گئیں اور اللہ نے اپنی فوجیں بھیجیں جو اُن کو دکھائی نہ دیتی تھیں۔ مگر انہوں نے مسلمانوں کو مکمل فتح سے ہمکنار کر دیا۔

ارشاد ہوا: ''مسلمانو! خدا کے اُس احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آپڑیں تو

ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں"۔ (9:33)

"بقول شبلی نعمانی موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے"۔ (24)

ابوسفیان نے واپسی کا بگل بجا دیا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ قرآن میں لکھا ہے "اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا" اُن کو کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ (25:33)

حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے اس جنگ میں زخمی ہوئے۔ آخر کار زخموں کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے چل بسے۔

"جنگ احزاب درحقیقت اعصاب کی جنگ تھی اس میں کوئی خونریز معرکہ پیش نہ آیا۔ لیکن پھر بھی اسلامی تاریخ کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی"۔ اس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے۔ یہود کا زور ٹوٹ گیا مگر بنو قریظہ سے ایک مرحلہ ہونا باقی تھا۔

غزوہ بنو قریظہ: (The Compaign of Quraizah)

جنگ احزاب سے مسلمان فارغ ہوئے تو اپنی زرہیں ابھی اتارنے نہ پائے تھے کہ حکم رسولؐ ملا "ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں"۔

بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ محاصرہ بھی خندق کی طرح ایک ماہ جاری رہا۔ بالآخر وہ تنگ آ گئے اور اوس کے سردار سعد بن معاذ کو حکم تسلیم کیا گیا۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا وہ بڑا سخت تھا کہ لڑائی میں لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال واسباب غنیمت سمجھا جائے۔ یہ سزا اگرچہ سخت تھی مگر بنو قریظہ کو یہ سزا ان کی بدعہدی کی وجہ سے ملی۔ بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے تھے تو اُن کے سردار خصوصاً حی

بن اخطب خیبر میں آباد ہوئے وہاں جا کر انہوں نے شورش جاری رکھی۔ حالانکہ مدینہ سے نکلتے وقت انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ مسلمانوں کے خلاف شورش نہ کریں گے۔ مگر اس قول کے برعکس انہوں نے احزاب کو اکٹھا کیا اور پھر دوران حرب بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملایا حالانکہ اُن کا معاہدہ مسلمانوں سے تھا۔ ان دو قبائل نے بار بار مسلمانوں سے ناروا سلوک کیا جس کی اُنہیں سزا ملی یہ سزا توراۃ کی تعلیم کے مطابق تھی کیونکہ جس بات میں قرآن نازل نہ ہوتا تھا۔ حضورؐ توراۃ کے مطابق فیصلہ فرماتے جیسا کہ رجم، قبلہ، صوم، عاشورہ، قصاص بالمثل وغیرہ۔

ارباب سیر نے مقتولین کی تعداد میں اختلاف کیا ہے بعض نے 400 اور بعض نے 600 کا ہندسہ لکھا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا صرف ایک آدمی شہید ہوا وہ خلاد بن سویدؓ تھا جنہیں بنو قریظہ کی ایک عورت نے چکی کا پاٹ پھینک کر مار دیا تھا۔

بنو نظیر کی جلا وطنی اور بنو قریظہ کے عبرتناک انجام کے بعد مدینہ طیبہ میں جو لوگ باقی بچے انہوں نے اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ یہ لوگ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کے جنازہ کے ساتھ گئے اور اُس کی موت کے غم میں سروں پر خاک ڈالی۔ (26)

حضرت زینب سے نکاح: ***(The Marriage with Zainab)***

اس جنگ کے بعد باختلاف روایت ریحانہ قرظی حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ حضرت زینبؓ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ پہلے ان کی شادی حضرت زید سے ہوئی تھی جب انہوں نے طلاق دی تو آپؐ نے اللہ کے حکم پر اُن کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اس نکاح کا ذکر سورۃ الاحزاب میں کیا گیا ہے۔

ان دونوں واقعات پر مستشرقین نے ایسے اعتراضات اٹھائے ہیں جو خود ان عیسائی مورخین کی ذہنی اور اخلاقی آلودگی کی داستان بیان کرتے ہیں۔ جبکہ حضورؐ کا دامن

صاف ہے۔قرآن مجید نے اس شادی کی وضاحت کر کے آنحضورؐ کے اخلاق کو بلند و بالا رکھا۔ (27)

احکامات متفرقہ:

اس واقعہ کے بعد طے پایا کہ منہ بولا بیٹا اصل بیٹے کی طرح نہ ہوگا۔ جاہلیت کے زمانہ میں جس طرح پاؤں جھٹک جھٹک کر عورتیں چلتی تھیں اُس سے منع کر دیا گیا اور عورتوں کو بڑی چادر لیکر گھونگھٹ نکالنے کا حکم دیا گیا۔قرآن میں زنا کی سزا سو کوڑے مقرر ہوئی۔ حضورؐ کی تشریح کی بدولت شادی شدہ جوڑے کے لئے رجم کی حد مقرر ہوئی۔ میاں بیوی کیلئے لعان کا طریقہ بتایا گیا۔ظہار کی طلاق کو غیر موثر قرار دیا گیا۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا حکم ملا اور صلواۃ الخوف کی اجازت ملی۔ (28) اس طرح مسلمانوں کیلئے معاشرتی اور قانونی حدود کا تعین ہوا۔

باب پنجم

غزوات النبی (بدر سے قریظہ تک)

1- Gulzar Ahmad, Brig, The Prophet`s Concept of War, Islamic Book foundation Lahore, 1986, P.134

2- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 378

3- ہیکل، حیات محمدؐ، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، ص 378

4- ایضاً، ص 383

5- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 195

6- سید محمد اسماعیل، رسول عربی اور عصر جدید، مکتبہ القریش، اردو بازار لاہور، 1988، ص 256

7- طبری، تاریخ طبری، ص 1354

8- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 206

9- اُحد مدینہ کے شمال میں واقع ایک پہاڑ ہے اور آج بھی قائم ہے، راقم نے اس جگہ کا معائنہ بچشم خود کیا ہے

10- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 1، ص 225

11- سید محمد اسمعیل، رسول عربی اور عصر جدید، ص 268
12- بخاری، صحیح بخاری، غزوہ اُحد، ص 579
13- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج 2، ص 619
مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 359
14- زرقانی، شرح المواہب اللدینہ، نسخہ عتیقہ مخروفہ، ج 2، ص 93
15- ایضاً
16- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 2، ص 245
17- ایضاً، ص 246
18- ایضاً
19- مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 405
20- ایضاً، ص 442
21- سنن ابن داؤد، کتاب العتاق
22- حمید اللہ، عہد نبویؐ کے میدان جنگ، ص 25
23- محدثین اس امر پر سخت اختلاف رکھتے ہیں کہ چار نمازیں قضا ہوئیں یا ایک اور اگر چار قضا ہوئیں تو ایک ہی دن یا کئی دن کو ملا کر
شبلی، سیرۃ النبیؐ، حاشیہ، ص 257

24- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 259

25- مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 424

26- جواد علی، تاریخ العرب، ج 6، ص 548

27- حضرت ریحانہؓ کے متعلق کتب سیرت میں تین قسم کی روایات ہیں۔

1- آپؐ نے اُن کو آزاد کر دیا وہ اپنے خاندان والوں میں پردہ نشین خاتون بن کر رہنے لگیں۔

2- آپؐ نے اُن کو آزاد کر دیا اور امہات المومنین کی طرح رکھنا چاہا مگر وہ باندی رہنا زیادہ پسند کرتی تھیں۔

3- حضورؐ نے اُنہیں اسلام کی دعوت دی وہ انہوں نے قبول کر لی اس پر آپؐ نے اُن سے نکاح کر لیا۔

ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج 5، ص 305

28- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 266

باب ششم

صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک

(From Hudabiyah to the Conquest of Mecca)

صلح حدیبیہ: (The Treaty of Hudabiyah)

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً O (1:48)

''ہم نے تجھے واضح فتح عنایت کی''۔

مکہ سے ہجرت کئے ہوئے چھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ یہ عرصہ مسلمانوں (مہاجرین) پر کتنا بھاری رہا ہوگا یہ تو وہی بتا سکتا ہے جو اس کرب سے گزرا ہو۔ اس دوران مسلمان متواتر غزوات وسرایا میں مشغول رہے۔ شہر مکہ سے حضورؐ کو ازخود عقیدت تھی کیونکہ وہ نہ صرف آپؐ کا گھر تھا بلکہ خانہ خدا بھی تھا۔ وہ مسلمانوں کا اب قبلہ اقدس بھی بن چکا تھا۔ مکہ سے نکلتے وقت جو الفاظ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کئے تھے وہ انہیں اب بھی یاد تھے کہ ''اے مکہ تو مجھے ازحد عزیز ہے لیکن تیرے شہر والے مجھے رہنے نہیں دیتے''۔ عربوں کی صدیوں سے عادت تھی کہ وہ ہر سال خانہ خدا کا طواف کرتے تھے۔ وہ ذی الحج کے مہینہ میں ضرور ہی خانہ کعبہ کی زیارت کو جاتے۔ اس سال کچھ سکون ہوا تو مسلمانوں نے بھی مکہ جانے کی ٹھانی۔ اُن کے دلوں میں یہ بات پہلے سے موجزن تھی کہ ایک دن خدا ضرور اُن کو مکہ پر قبضہ دلائے گا اور وہ دل بھر کر طواف کریں گے اور عبادت کریں گے۔ ذی قعدہ کی ایک سہانی صبح تھی کہ حضورؐ نے اعلان کیا کہ اُنہوں نے خواب دیکھا ہے کہ وہ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس خبر سے اہل مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور خوشی کے آنسو ان کی آنکھوں میں چھلکتے

ہوئے دیکھے جا رہے تھے۔

حضورؐ نے سب قبائل میں حج کا اعلان کرا دیا اور لوگوں کو واضح کر دیا کہ وہ حج کرنے جا رہے ہیں نہ کہ لڑائی لڑنے۔ آپؐ نے قربانی کے جانور ساتھ لینے کا اعلان کیا۔ تلواروں کے بارے میں حکم دیا کہ وہ نیام میں اور نیام جلبان میں ہوں تا کہ اہل مکہ یہ شک نہ کریں کہ مسلمان لڑنا چاہتے ہیں۔

1400 مسلمان مہاجرین، انصار اور دیگر قبائل پر مشتمل یہ قافلہ مکہ کی طرف روانہ ہوتا ہے حضورؐ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے۔ کل 70 اونٹ ساتھ تھے سب کے کوہان یہ بتا رہے تھے کہ یہ عمرہ اور حج کی نشانی ہیں۔ اس قافلہ میں حضورؐ کی بیوی اُم سلمہ ساتھ تھیں۔ انہوں نے اس مہم میں حضورؐ کو ایسا مشورہ دیا جس سے بہت بڑا خطرہ حل کرنے میں مدد ملی۔ اس کا تذکرہ ذیل میں آ رہا ہے۔

دوسری طرف جب مکہ والوں کو علم ہوا کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں سمیت مکہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ پہلے تو اُنکے دل میں یہ بات کھٹکی کہ کہیں مسلمان مکہ میں کوئی عیارانہ چال کے ذریعے داخل تو نہیں ہونا چاہتے مگر جب اُن کو معلوم ہوا کہ وہ تو لباس عمرہ میں ملبوس ہیں تو اُن کو تسلی ہوئی لیکن پھر بھی وہ 200 آدمیوں کا دستہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کی معیت میں روانہ کرتے ہیں لیکن مسلمان ایک طرف ہو کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی صورت میں قریش کے ساتھ ٹکرانا نہیں چاہتے تھے اُنکا ایک ہی مقصد تھا کہ خانہ کعبہ کی زیارت کی جائے۔

مسلمان ایک دشوار گزار راستے سے ہوتے ہوئے مکہ کے جنوب میں حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک کنواں تھا جس میں پانی بہت کم تھا آپؐ نے ایک چھڑی کے ذریعے پانی کی مقدار معلوم کرائی پانی اوپر چڑھ کر مسلمانوں کی پیاس بجھانے کے لئے کافی تھا۔ اُدھر جب کفار مکہ کے جیش کو معلوم ہوا کہ مسلمان تو حدیبیہ پہنچ گئے

ہیں وہ جلدی مکہ روانہ ہوئے تا کہ اپنے سرداروں کو خبر دی جا سکے۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مسلمانوں کا کیا ارادہ ہے۔ بدیل بن ورقہ کچھ خزاعی نو جوانوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ حالات کا جائزہ لینے کے بعد اُسے یقین ہو گیا کہ محمدؐ کا ارادہ لڑائی کا ہرگز نہیں ہے۔

واپس جا کر جب اُنہوں نے قریش کو بتایا تو وہ اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ وہ مسلمانوں کو مکہ میں کسی صورت دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے دوسرا وفد بھیجا وہ بھی یہی جواب لایا۔ انہوں نے تیسرا وفد الحلیس قبیلہ احابیش سے بھیجا وہ بھی یہی کہانی لایا۔ بلکہ اُس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تم مسلمانوں کو مکہ آنے کی اجازت نہ دو گے تو میں اپنے ساتھیوں سمیت یہاں سے نکل جاؤں گا مگر اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔ قریش نے چوتھا وفد عروہ بن مسعود ثقفی کی قیادت میں بھیجا۔

عروہ ثقفی آ کر حالات کا جائزہ لیتا ہے محمدؐ سے ملاقات کرتا ہے اس ملاقات میں مختلف سوالات پوچھتا ہے مگر عرب کی عادت کے مطابق حضورؐ کی داڑھی کو پکڑ کر بات کرتا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ چھڑی سے فوراً ہاتھ ہٹا دیتے ہیں۔ عروہ مکہ آ کر مثبت رپورٹ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے محمدؐ کے خیر خواہ ایسی حالت میں دیکھے ہیں جو اس کے وضو کا پانی بھی نیچے نہیں گرنے دیتے۔ وہ اُس کے جسم کا بال بھی زمین پر گرنا گوارہ نہیں کرتے۔ بخدا میں نے قیصر روم اور نجاشی حبشہ کے درباروں میں سفارت کی ہے مگر محمدؐ کے ساتھ جیسے جانثار ہیں ایسے کہیں نہیں دیکھے۔ اتنی سفارتوں کے باوجود اہل مکہ کی طرف سے مسلمانوں کو مکہ آنے کی اجازت نہ ملنے پر حضورؐ نے اپنی سفارت روانہ کی۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کے سفیر کا اونٹ ذبح کر دیا اور اُسے بھی مارنے پر تل گئے مگر قریش کے حلیف احابیش آگے آ گئے یوں یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ (1)

اب حضورؐ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو روانہ کیا تا کہ وہ مکہ والوں کو یہ باور

کرانے میں کامیاب ہو جائیں کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہماری غرض محض اور محض عمرہ ہے۔ حضرت عثمانؓ روانہ ہوئے اور اُنہیں مکہ کے مضافات میں ابان بن سعید مل گئے۔ جنہوں نے اُنہیں امان دینے کا وعدہ کیا۔

قریشیوں نے کہا اے عثمان! اپنا طواف کعبہ دل بھر کے کرلو مگر ہم کسی اور کو مکہ نہ آنے دیں گے۔ حضرت عثمان غنیؓ کا جواب تھا کہ میں اکیلا طواف کرنے نہیں آیا، ہم سب اپنے نبیؐ کی قیادت میں اکٹھے طواف کریں گے۔ مسلمان بغیر اسلحہ کے آئے ہیں اور قربانی کے اونٹ ساتھ ہیں۔ اس گفتگو میں دیر ہوگئی اور خبر یہ مشہور ہوگئی کہ عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس خبر پر آنحضورؐ نے اُن کے قصاص کا اعلان کر دیا۔

تمام صحابہ ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع ہو گئے سب نے حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کی جس کی وجہ سے اسے بیعت رضوان کہا گیا۔

قرآن مجید نے اس کا ذکر یوں کیا:

لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ (48-18)

"خدا مسلمانوں سے راضی تھا جب وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے"۔

حضرت عثمانؓ کے بارے جو خبر مشہور ہوئی تھی وہ سچ ثابت نہ ہوئی۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اُنہوں نے چند شرائط پر گفتگو کی اور معاہدہ ہو گیا۔ معاہدہ لکھنے کا وقت آیا تو حضرت علیؓ کو طلب کیا گیا انہوں نے ابتداء میں "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" لکھا تو سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا اور روایت کے مطابق باسمک اللھم لکھنے پر زور دیا۔

پھر لکھا گیا کہ یہ معاہدہ "محمدؐ رسول اللّٰہ" اور قریش کے درمیان طے پایا۔

رسول اللہ کے الفاظ پر بھی کافر نے اعتراض کیا اور کہا کہ اگر محمد کو ہم رسول مانتے تو پھر جھگڑا کس بات کا تھا۔ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ مٹانے سے انکار کر دیا۔ سیرت نگار متفق ہیں کہ حضور نے اُمی ہونے کے باوجود ان الفاظ کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ (2)

بعض مستشرقین یہاں بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضورؐ اُمی تھے تو وہ کیسے پتہ چلا سکتے تھے کہ اُن کا نام کہاں لکھا ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ روزمرہ کے لکھنے پڑھنے کا کام جب نظر سے گزرتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام کے حرف سے آشنا ہو جاتا ہے اس سے امیّت میں کوئی فرق نہیں آتا''۔ (3)

اس صلح کیلئے درج ذیل شرائط طے پائیں۔

1- یہ کہ مسلمان اس سال واپس مدینہ چلے جائیں۔

2- یہ کہ اگلے سال مکہ آئیں اور تین روز قیام کریں۔

3- یہ کہ تلواریں نیام میں ہوں گی اور نیام جلبان میں ہوں گے۔

4- یہ کہ فریقین 10 سال تک آپس میں جنگ نہ کریں گے۔

5- یہ کہ مکہ سے کوئی مسلمان ساتھ نہ جا سکے گا تاہم مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ رہنا چاہئے تو ایسا کرسکتا ہے۔

6- یہ کہ قبائل عرب کو اختیار ہے کہ وہ فریقین میں سے جس فریق کے ساتھ معاہدہ کرلیں وہ اس فریق کا جزو سمجھا جائے گا۔

یہ شرائط ابھی طے پائی جارہی تھیں کہ ابوجندل کا واقعہ پیش آ گیا ابوجندل سہیل کا صاحبزادہ تھا۔ اسلام قبول کر چکا تھا، کافروں کی قید سے بھاگ کر یہاں آ پہنچا۔ سہیل نے اس کی واپسی کا اصرار کیا آپؐ نے کہا ابھی تو معاہدہ لکھا جا رہا ہے

سہیل نے کہا تو معاہدہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس پر معاہدہ کے مطابق ابوجندل کو واپس کر دیا گیا۔ (4)

لیکن ابوجندل کی حالت دیدنی تھی وہ مسلمانوں کو پکار رہا ہے:

''اے مسلمانو! میرے جسم کو دیکھو میں زخموں سے چور چور ہوں، میں ایمان واسلام کی حویلی میں داخل ہو چکا ہوں آپ پھر بھی مجھے کفار کو واپس کر رہے ہیں'' ایسا جذباتی منظر تھا کہ مسلمان تڑپ کر رہ گئے۔ آنکھیں آنسوؤں سے اُمڈ آئیں۔ حضرت عمرؓ اس حالت سے بہت بیقرار تھے کبھی رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتے اور کبھی ابوبکرؓ کے پاس آتے مگر رسول اللہ ﷺ نے ابوجندل کو صبر کی تلقین کی اور کہا: اے ابوجندل!

ان اللّٰہ مع الصابرین (اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

یہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے صبر کا امتحان تھا۔ دوسری طرف اطاعت رسول کی بہترین مثال پیش کرنا تھی کیونکہ مسلمان حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کا خمیازہ اُحد میں بھگت چکے تھے وہ اب کسی قسم کا خطرہ مول لینے کی اہلیت نہ رکھتے تھے۔

حضورؐ نے لوگوں کو قربانی کا حکم دیا۔ بخاری کے مطابق تین دفعہ کہنے پر بھی لوگ تذبذب کا شکار تھے کہ قربانی کریں یا کیونکر۔

یہاں اُم سلمہؓ کی فہم وفراست کام آئی اور اسلام کی یہ تعلیم سامنے آتی ہے کہ مشکل وقت میں اہل خانہ سے مشورہ کرنے میں بھلائی ہے۔ اُم سلمہؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپؐ باہر نکل کر خود قربانی کا جانور ذبح کریں اور احرام اتار کر بال منڈوا دیں تاکہ لوگوں کو عمل کرنے میں آسانی ہو۔ حضورؐ نے ایسا ہی کیا بعد میں سب نے آپؐ کا اتباع کیا اور اللہ کا حکم نازل ہوا۔ انا فتحنا لک فتحاً مُبینا (ہم نے آپ کو واضح فتح عنایت کی)

مسلمانوں کی سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ یہ کیسی فتح ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد

جب سربستہ راز کھلنے شروع ہوئے تو واقعی مسلمانوں کو احساس ہوا کہ یہ شکست نہیں فتح تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ اس فتح حدیبیہ سے لیکر فتح مکہ تک اس قدر لوگ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے جتنا کبھی نہ ہوئے تھے۔

اس صلح سے یہ فائدہ ہوا کہ قریش نے محمدؐ کو برابر کا حلیف تسلیم کرلیا۔ اس سے قبل اُن کا خیال تھا کہ مسلمان باغی ہیں اور اُن کا قلع قمع ضروری ہے۔ قریش نے مسلم ریاست جو مدینہ میں قائم ہوئی تھی اُسے عملاً تسلیم کرلیا۔ مسلمانوں کو چین وسکون ملا اب وہ 10 سال تک کسی حملہ آور سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ اس سے اسلام کی اشاعت میں آسانی ہوئی۔ آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فتح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد 14 سو ہے جبکہ صرف 4 سال بعد فتح مکہ کے موقع پر یہ 10 ہزار ہو جاتی ہے۔

مکہ سے مسلمانوں کو مدینہ نہ جانے کی اجازت اور مدینہ سے مسلمانوں کو مکہ جانے کی اجازت والی شرط نے ایسا کام کر دکھایا کہ لوگ حضورؐ کی سیاسی بصیرت کے اور معتقد ہوگئے۔

واقعات کے تسلسل میں ابو بصیر کو حضورؐ نے مدینہ نہ رہنے دیا کیونکہ یہ معاہدہ کے خلاف تھا۔ یہ آدمی مقام عیص جو ذومرہ کے پاس ہے رہنا شروع ہوگیا۔ اس جگہ سب مسلمان جو مدینہ نہ آسکتے تھے جمع ہونے شروع ہوگئے۔ اور اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی۔ دوسری طرف مسلمان عورتیں جو مکہ میں تھیں انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ کیونکہ عورتیں اس معاہدہ میں شامل نہ تھیں۔ لہٰذا وہ مدینہ آ کر رہ سکتی تھیں۔

ان کے متعلق خاص یہ آیت نازل ہوئی۔ ''مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو اُن کو جانچ لو۔ خدا اُن کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو اُن کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو نہ وہ

عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر اُن عورتوں کے قابل ہیں اور اُن عورتوں پر اُن لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ تم اُن کو دے دو اور تم اُن سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ اُن کے مہر ادا کر دو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو"۔ (ولا تمسکوا بعصم الکوافر)

اس سے بھی عملاً مسلمانوں کو فائدہ ہوا۔ نیز مسلمانوں کو امن وآشتی کی بدولت یہ موقع ملا کہ اب محمد عربیؐ نے سلاطین عرب وعجم کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکھنے شروع کر دیئے۔

سلاطین عرب وعجم کو دعوت اسلام: (The Missions to Kings)

حدیبیہ سے واپس مدینہ تشریف لائے تو آپؐ کو قدرے سکون نصیب ہوا۔ چنانچہ آپؐ نے سلاطین عرب وعجم کو کچھ خط لکھے یہ خطوط اللہ کے نبیؐ نے اپنے مہر کے ساتھ روانہ فرمائے۔ مہر کی شکل تھی [الله رسول محمد]

یہاں چند خطوط کا تذکرہ ضروری ہے۔

نجاشی شاہ حبشہ:

شاہ حبشہ کے نام تین قسم کے خطوط کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ لیکن میں ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کی ہوئی خط کی عبارت یہاں درج کرتا ہوں کیونکہ اس خط کا جو جواب آیا تھا وہ کچھ حد تک تصدیق کرتا ہے کہ یہی وہ خط ہے جو شاہ حبش کے نام لکھا گیا۔ اس خط کے الفاظ آج بھی محفوظ ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام:

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے امابعد: میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو قدوس اور سلام ہے امن دینے والا، محافظ

ونگران ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اُس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے انہیں پاکیزہ اور پاکدامن مریمؑ بتول کی طرف ڈال دیا۔ اور اُسکی روح اور پھونک سے مریم عیسیٰؑ کیلئے حاملہ ہوئیں۔ جیسے اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں اللہ وحدہ لاشریک کی جانب اور اُس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں اور میں نے تبلیغ ونصیحت کر دی۔ لٰہذا میری نصیحت قبول کرو اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے"۔ (5)

عُمرو بن اُمیہ ضمریؓ نے یہ خط نجاشی کے ہاں پیش کیا۔ نجاشی نے یہ خط لیکر اُسے چوما اور آنکھ پر رکھا۔ نجاشی حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ خط کا جواب یوں تحریر کیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی کی طرف سے:

"اے اللہ کے نبی آپؐ پر اللہ کی طرف سے سلام اور برکت ہو وہ اللہ جس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں امابعد: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے آپؐ کا گرامی نامہ ملا جس میں آپؐ نے عیسیٰؑ کا معاملہ ذکر کیا ہے۔ خدائے آسمان وزمین کی قسم آپؐ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰؑ اس سے ایک تنکا بڑھ کر نہ تھے۔ آپؐ نے جو کچھ ہمارے پاس بھیجا ہے ہم نے اُسے جانا اور آپؐ کے چچیرے بھائی اور آپؐ کے صحابہ کی مہمان نوازی کی اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور میں نے آپؐ سے بیعت کی اور آپؐ کے چچیرے بھائی سے بیعت کی اور اُن کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے اسلام قبول کیا"۔

غزوہ تبوک کے بعد نجاشی نے وفات پائی حضورؐ نے اُس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

مُقوقس شاہ مصر کے نام:

مُقوقس مصر کا بادشاہ تھا اس کے نام یہ خط لکھا گیا اور اسے پہنچانے کیلئے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا انتخاب کیا گیا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے مُقوقس کے نام:

''میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے، اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہل قبط کا بھی گناہ ہوگا اے اہل قبط ایسی بات کی طرف آؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنالیں اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم سلطان ہیں''۔ (6)

مُقوقس نے اس خط کا یوں جواب تحریر کرایا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمدؐ بن عبداللہ کیلئے مُقوقس عظیم قبط کی طرف سے:

آپؐ پر سلام! امابعد میں نے آپؐ کا خط پڑھا اور اس میں آپؐ کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا، مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے، میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا۔ میں نے آپؐ کے قاصد کا اعزاز واکرام کیا۔ آپؐ کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں۔ جنہیں قبطیوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے کپڑے بھیج رہا ہوں اور آپؐ کی سواری کیلئے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں اور آپؐ پر سلام''۔

خسرو پرویز شاہ فارس کے نام:

بادشاہ فارس کسریٰ (خسرو پرویز) کے نام خط لکھا گیا۔ عبداللہ بن حذافہ یہ نامہ لے کر گئے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ کی جانب:

"سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیروکار ہے اور خدا اور پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھے تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تا کہ جو شخص زندہ ہے اسے انجام بد سے ڈرایا جائے۔ تم اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے ورنہ مجوسیوں کا گناہ بھی تمہاری گردن پر ہوگا"۔

خسرو نے ان الفاظ کو اپنی تحقیر سمجھا۔ اس نے اللہ کے رسولؐ کے نامہ مبارک کو چاک کر دیا۔ رسول اللہ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا اُسے اپنی ہی اولاد نے قتل کر دیا۔ (7) بعد میں ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

شاہ روم کے نام خط:

شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت تھا وہ غسانی خاندان تھا۔ اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا۔ حضرت دحیہ کلبی نے یہ خط انہیں لا کر دیا انہوں نے پھر یہ خط شاہ روم قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ مکتوب یہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

اللہ کے بندے اور اُسکے رسول ﷺ کی جانب سے ہرقل کی جانب:

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے تم اسلام لاؤ سالم رہو گے، اسلام لاؤ اللہ تمہیں اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تمہاری رعایا کا گناہ بھی تم پر

ہو گا۔ اے اہل کتاب! تم ایسی بات کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے بجائے ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے پس اگر لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ ہم مسلمان ہیں"۔ (8)

ابن عباس سے مروی ہے کہ خط کے بعد قیصر نے بڑے احتشام سے دربار منعقد کیا اور ابو سفیان جو اتفاقاً اُس علاقے میں موجود تھا اُسے طلب کیا جو گفتگو ہوئی وہ لفظ بلفظ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے۔۔ ہم بھی اُسے یہاں نقل کرتے ہیں۔ یہ گفتگو قیصر سے شروع ہوتی ہے۔ سوالاً جواباً درج ہے۔

سوال	جواب
1- مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟	شریف ہے۔
2- اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟	نہیں۔
3- اس خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟	نہیں۔
4- جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟	کمزور لوگ ہیں۔
5- اسکے پیروکار بڑھتے جا رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟	بڑھتے جا رہے ہیں۔
6- کبھی تم لوگوں کو اُسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟	نہیں۔
7- وہ کبھی عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرتا ہے؟	ابھی تک تو نہیں کی۔
8- تم لوگوں نے اُس سے کبھی جنگ کی؟	ہاں۔

9- نتیجہ کیا رہا؟ | کبھی وہ جیتے کبھی ہم۔
10- وہ کیا سکھاتا ہے؟ | وہ کہتا ہے ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو۔

قیصر روم نے اس گفتگو کے بعد ابوسفیان سے کہا کہ جن جن باتوں کی تم نے گفتگو کی ہے اگر یہ سچ ہیں تو ایک دن میری قدم گاہ تک اُسکا قبضہ ہو جائے گا۔ اس نے مزید کہا کہ!

''میں اگر ملاقات کرسکتا تو اُس کے دونوں پاؤں دھوتا''۔ مُسند احمد ابن حنبل کے مطابق قیصر کے دل میں نور اسلام آ چکا تھا لیکن تاج وتخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔ (9)

منذر بن ساویٰ کے نام خط:

''حاکم بحرین کو بھی اسلام کی دعوت دی گئی یہ دعوت علاء بن الحضرمی کے ہاتھوں روانہ ہوئی۔ منذر نے اس دعوت کو لوگوں تک پہنچایا بعض لوگوں نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نظر سے دیکھا اور اُس کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اور بعض نے پسند نہیں کیا''۔ منذر نے اپنی قوم کے یہود ومجوس کے بارے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے خط کے ذریعے حکم دیا کہ اگر یہ یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہیں تو جزیہ دیں۔

حضورؐ نے صاحب یمامہ اور شاہ عمان کے نام بھی نامے روانہ کیے۔

ان خطوط کے ذریعے حضورؐ نے اپنا فرمان بیشتر بادشاہوں تک پہنچا دیا۔ جس سے دین اسلام دور دراز علاقوں تک متعارف ہو گیا۔ قرآنی حکم فاصدع بما تؤمر کی عملی صورتحال سامنے آئی۔

اسلام کا اب سب سے بڑا حریف خیبر کو گردانا جا رہا تھا کیونکہ بنی نضیر کے یہود یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے اور مال ودولت اور اسلام دشمنی اُنہیں چین سے نہ بیٹھنے دے رہی تھی۔ لہٰذا اُن کا قلع قمع کرنا ضروری تھا۔

فتح خیبر: (7ھ) (The Conquest of Khayber)

خیبر ایک زرخیز وادی ہے مدینہ سے اس کا فاصلہ آٹھ منزل (200 میل) کہا گیا ہے یہ علاقہ یہودیوں کی سازشوں کا گڑھ بن گیا تھا۔ رؤسائے یہود یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ آج کل اسرائیل میں آباد ہیں۔ انہوں نے تمام اہل عرب کو اسلام کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر لانے کیلئے فوجی اقدامات شروع کر دیئے۔ جنگ خندق میں بھی یہی لوگ تھے جنہوں نے قریشیوں کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہوں اگرچہ جنگ خندق میں قریشیوں کا اپنا بھی بڑا ہاتھ تھا لیکن انہیں اُکسانے کی ساری کوششیں یہود کے کھاتے میں ڈالی جاسکتی ہیں۔

اُن دنوں یہود کا سردار ابورافع سلام بن ابی الحقیق تھا اُس نے قبیلہ غطفان اور دیگر ''اہل القریٰ'' کو اپنے ساتھ ملانے کی منصوبہ بندی کر لی تھی۔ ابن سعد طبقات میں یوں رقمطراز ہیں۔

''ابورافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا اور ایک بہت بڑے جم غفیر کو حضورؐ کے خلاف لڑنے کے لئے جمع کیا''۔ (10)

ابورافع مارا گیا۔ یہود نے اُسیر بن رزام کو مسند اقتدار پر بٹھا دیا۔ اس نے مدینہ پر چڑھائی کا اعلان کر دیا اور ایک بہترین فوج تیار کی۔

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کو بھی خبریں پہنچ رہی تھیں آپؐ کسی بھی صورت میں غافل نہیں رہ سکتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہؓ کو حالات حاضرہ کا جائزہ لینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے اُسید کو مجبور کیا کہ تم مدینہ چلو ہم تمہیں خیبر کی حکومت دلوا دیں

گئے۔ راستے میں اُسید نے بدعہدی کی اس طرح وہ خود اور اپنے 30 ساتھی گنوا بیٹھا۔

اس غزوہ میں یہود نے بنو غطفان اور بنو خزارہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ غطفان کے چند آدمیوں نے حضورؐ کی اونٹنیوں کی چراگاہ ذی قرد پر حملہ کر دیا اور وہاں سے 20 اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ چراگاہ کے رکھوالے حضرت ابوذرؓ کو بھی قتل کر دیا اس کی بیوی کو بھی گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں میں حضرت سلمہؓ بن الاکوع کو جب اس غارت گری کا علم ہوا تو اُنہوں نے پیچھا کیا اور تیر برسائے اور تمام اونٹنیاں چھڑوا لائے اس واقعہ کے تین دن بعد غزوہ خیبر کا آغاز ہو جاتا ہے۔

اللہ کا رسولؐ اعلان کرتا ہے کہ اس غزوہ میں وہ لوگ شریک ہوں جو جہاد فی سبیل اللہ یعنی اعلائے کلمتہ اللہ چاہتے ہیں اور مال غنیمت کی محبت دل میں نہیں رکھتے۔ (11)

مولانا شبلی نعمانی تمام غزوات کو دفاعی کہتے ہیں اور غزوہ خیبر کو اقدامی کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ غزوہ بھی دفاعی نوعیت کا تھا اور یہودی شورشوں اور سازشوں کا پیش خیمہ تھا۔

اگر یہود آرام سے بیٹھے رہتے غطفان اور خزارہ کو اپنے ساتھ ملانے پر مجبور نہ کرتے ذی قرد کے مقام سے اونٹنیاں نہ ہانکتے تو شاید اس غزوہ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ بہر حال پھر بھی آپؐ نے غطفان اور خزارہ والوں کو سزا دینے کیلئے محرم 7ھ میں 1600 افراد پر لشکر جری تیار کیا۔

فوج کی روانگی پر حضرت عامر بن الاکوع یہ شعر پڑھتے جا رہے تھے۔

''اے خدا اگر آپ ہدایت نہ کرتے تو ہم ہدایت پاتے نہ خیرات کرتے اور نہ نماز پڑھتے، ہم تجھ پر فدا ہوں ہم جو احکام بجا نہیں لاتے اُن کو معاف کر دے اور ہم پر تسلی نازل فرما۔ ہم جب فریاد میں پکارتے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔ لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے''۔ (12)

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو حملے پر اُکسانے والے یہود تھے۔

حضورؐ نے مقام رجیع پر فوجوں کو پڑاؤ کا حکم دیا۔ یہ علاقہ غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے۔

خیبر میں قلعوں کی تعدا چھ بتائی جاتی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ قموص، نطاۃ (نتاط)، قطارۃ، شق، مربط، سلالم۔

مسلمانوں اور یہودیوں کا آمنا سامنا نتاط کے مقام پر ہوا لیکن یہ ملاقات (Encounter) فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی۔

سلم بن مشکم ایک یہودی سردار اس موقع پر مارا گیا، یہودی فوجوں کی کمان حارث بن ابوزینب کو مل گئی۔

قلعہ نعیم بھی ایک مضبوط قلعہ تھا۔ یہاں بھی یہودی قید بند تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اُن کی گوشمالی سپرد ہوئی۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ کو حملے کیلئے بھیجا گیا اور آخرکار حضرت علیؓ کو روانہ کیا گیا اُنہوں نے اس قلعہ پر سخت حملہ کیا اور مسلمان فوجیں قلعہ کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں۔ اس لڑائی میں حارث بن ابوزینب مارا گیا۔ یہودی مقابلہ نہ کر سکے اور پسپا ہو گئے۔

قلعہ نعیم کے بعد قلعہ قموص پر مسلمانوں نے چڑھائی کی اور مرحب باہر نکل آیا یہ کہتا ہوا کہ ''خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ میں ایک تجربہ کار ہوں، جنگ کیلئے مکمل تیار ہوں، میں دشمنوں کو سخت مار مارتا ہوں، میں وہی ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے''۔

روایات اختلاف پیش کرتی ہیں کہ مرحب کے مقابلے میں محمد بن سلمہؓ تھے یا حضرت علیؓ، اکثر سیرت نگار حضرت علیؓ کو پیش کرتے ہیں۔ آپ نے مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ (13)

اب زبیر کے قلعوں کی باری تھی یہاں بڑے بڑے حملے ہوتے رہے لیکن

فیصلہ کن مرحلہ نہ ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کو پانی کی سپلائی جو اُس قلعہ میں ہو رہی تھی ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا اس طرح یہودی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ ایک ایک کر کے قلعے ہاتھ آتے گئے۔ اب سلالم کی باری تھی یہودی مایوس ہو چکے تھے وہ امن کی راہ تلاش کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی۔

فتح کے بعد یہود مسلمانوں کے رحم وکرم پر تھے حضورؐ نے رحمت عالم بن کر یہود کو اُن کی زمینوں پر قابض رہنے دیا، طے ہوا کہ وہ پیداوار کا نصف مسلمانوں کو ادا کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے مالی امور کے فرائض سرانجام دیئے۔

خیبر کی فتح کے بعد یہود کی طاقت ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کو عروج نصیب ہوا۔ اُن کی مالی حالت مستحکم ہونے لگ گئی۔ سیاسی طور پر مسلمان غلبہ کی حالت میں آ گئے۔ مذہبی طور پر مسلمانوں کی مذہبی رواداری دیکھیں کہ توراۃ کی وہ کاپیاں جو ان کے ہاتھ لگی تھیں یہودیوں کو واپس کر دی گئیں۔ اگر یہودی اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ رومیوں نے جب اُن پر حملے کئے تو اُنہوں نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور ان کی توراۃ کی کاپیاں جلا ڈالی تھیں اور یہ عمل کئی مرتبہ ہوا۔

باغ فدک:

خیبر کے بعد حضورؐ نے فدک والوں کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی سرِ تسلیم خم کریں۔ انہوں نے خیبر کے یہودیوں کی حالت کا سن لیا تھا وہ سخت پریشانی اور مایوسی میں گرفتار تھے اُنہوں نے بھی آدھی زمین (باغ) حضورؐ کو دینے کا اقرار کرلیا۔ خیبر کے زمینوں کی آمدنی اور دیگر چیزیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ کیونکہ مسلمانوں نے وہاں جان لڑائی تھی اس لئے اسے مال غنیمت کہا گیا۔ جبکہ فدک کے اموال بغیر کسی لڑائی کے ہاتھ آئے یہ حضورؐ کے حصہ میں آئے اور مال فئے کہلائے۔ (14)

وادی القریٰ، وادی تیما: (Wadi Qura-Taima)

یہ دو بستیاں یہودی بستیاں تھیں۔ خیبر کے بعد فدک کا خاتمہ ہو گیا اب ان بستیوں کی طرف توجہ ضروری تھی۔ یہاں کے یہودی مسلمانوں سے لڑائی کیلئے سرگرم عمل تھے۔ مگر جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ اس لڑائی سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ چنانچہ وادی القریٰ کے لوگوں نے آدھا حصہ دینے پر صلح جبکہ تیماء والوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ اس کے ساتھ ہی عرب کے سب یہودی مسلمانوں کے زیرنگیں ہو گئے۔

مسلمانوں نے اُن سے مزید اچھا سلوک کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح بے شمار یہودی مدینہ آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے۔ انصاری مسلمانوں نے ان کو قبول کر لیا۔ حضورؐ نے انہیں اپنے دین پر رہنے دیا۔ لا اکراہ فی الدین کی عملی مثال سامنے آئی۔

زہر آلود بکری کے گوشت کا قصہ:

(The story of personal meat)

سلم بن مشکم ایک یہودی سردار تھا۔ خیبر کی لڑائی میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس کی بیوی زینب انتقام کے جوش سے لبریز تھی مگر کیا کر سکتی تھی۔ اُس نے ایک دعوت کا بہانہ بنایا اور حضورؐ کو بکری کی دستی زہر آلود کر کے کھانے میں پیش کی مگر وحی الٰہی سے آپؐ کو اطلاع کر دی گئی۔ حضورؐ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت بشر بن مراد بھی اس دعوت میں شریک تھے انہیں بھی یہی تجربہ ہوا۔ حضورؐ نے زینب کو بلا بھیجا اور پوچھا اُس نے ایسا کیونکر کیا۔ زینب نے کہا جو کچھ میری قوم اور میرے خاوند کے ساتھ ہوا اس پر اس کے علاوہ میں کیا کر سکتی تھی؟ اکثر سیرت نگار متفق ہیں کہ حضورؐ نے زینب کو معاف کر دیا۔ زندگی کے آخری لمحات میں آپؐ نے اس زہر کے اثرات کو محسوس کیا۔

حضرت صفیہؓ سے شادی: (Marriage with Safiyya)

فتح خیبر کے بعد یہودی عورتیں بھی حصہ میں آئی تھیں۔ صفیہؓ جو کہ بنی نضیر

کے سردار حی ابن اخطب کی بیٹی تھی ان قیدیوں میں سے ایک تھیں۔ اس کے شوہر کا نام کنانہ بن ابی الحقیق تھا جو اپنی بدعہدی کی وجہ سے قتل ہو چکا تھا۔ کیونکہ یہ سرداران یہود کی بیٹی اور بہو تھی لہٰذا کسی نے حضورؐ کو تجویز دی کہ اسے صرف آپ کی سپرداری میں دیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ نے انہیں آزاد کیا اور اسلام پیش کیا اور شادی کی۔ صفیہؓ اپنی زندگی میں حضورؐ سے وفادار رہیں۔ جب آخری وقت حضورؐ بیماری کی حالت میں تھے صفیہؓ نے حضورؐ سے کہا کہ کاش آپ کی بیماری مجھے لگ جاتی۔ ایک بیوی کی اپنے شوہر سے محبت کی اعلیٰ مثال اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ حضورؐ نے اپنی اس بیوی کی وفاداری کی تصدیق کی۔ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اسی سال حضرت اُم حبیبہؓ اور حضرت میمونہؓ سے بھی نکاح کیا۔

فقہی احکامات: (Fiqh Rulings)

ان سالوں میں پنجہ سے شکار کرنے والے پرندے اور درندہ جانور حرام ہوئے، گدھے اور خچر حرام ہوئے، لونڈیوں سے فوری تمتع جائز سمجھا جاتا تھا اب استبراء کی قید ہو گئی۔ اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہ تھا۔ چاندی سونے کا بالتفاضل خریدنا حرام ہوا۔ بعض روایات میں متعہ بھی حرام ہوا۔ (15)

غزوہ مُوتہ: (جمادی الاول 8 ہجری) (The compaign of Mu`ta)

محمد حسین ھیکل نے اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے ایک خوبصورت بات لکھی ہے کہ:

"Just as the treaty of Hudaybiya was the forerunner of the pilgrimage, and this in turn of the conquest of Makkah, so was the compaign against Mu`tah an introduction to tabuk, and this in turn, to the

conquest of al-sham which took place shortly after the Prophet`s death". (16)

اس لڑائی کی بیشتر وجوہات بیان ہوئی ہیں جن میں حضورؐ کے ایلچی حارث بن عمر کا قتل ایک وجہ تھی۔ دوسری وجہ اسلام کی تبلیغ بتائی جاتی ہے۔

آنحضورؐ نے تین ہزار کا لشکر حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں روانہ کیا اس لشکر کی خاص بات یہ تھی کہ زید بن حارثہؓ کی شہادت اگر ہو جائے تو قیادت حضرت جعفر طیارؓ کو ملنا تھی اور اگر ان کی شہادت ہو جائے تو جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ہاتھ آنا تھا اور اگر ان کی بھی شہادت ہو جائے تو اس کا فیصلہ نہ تھا مگر ایسا آنے پر صحابہ نے خالد بن ولیدؓ کو لشکر کا علم ہاتھ میں تھما دیا۔

حضورؐ نے لشکر کو تائید فرمائی کہ سرحدی علاقوں میں پہنچ کر پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو بہتر ورنہ اللہ سے مدد مانگ کر لڑائی کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''دیکھو بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے، کسی عورت اور انتہائی عمر رسیدہ شخص کو قتل نہ کرنا، کسی درخت کو نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو مسمار نہ کرنا''۔ (17)

مقابل 2 لاکھ کی بہت بڑی فوج تھی۔ مسلمان مخمصے کا شکار ہو گئے۔ مقام معان پر مشورہ ہوا۔ عبداللہ بن رواحہؓ کے کہنے پر معرکہ آرائی کا فیصلہ ہوا۔ مُوتہ کے مقام پر دونوں فوجیں آپس میں آمنے سامنے آ گئیں تین ہزار کا 2 لاکھ سے مقابلہ چہ معنی دارد۔ لیکن جام شہادت کی آرزو اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کا سوال سامنے تھا۔
''کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة'' پر عمل کا وقت تھا۔

جب مسلمانوں کے تینوں سپہ سالار باری باری میدان جنگ میں شہادت کا رُتبہ حاصل کر گئے۔ تو خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں علم آ گیا۔ لڑائی جاری رہی۔ خالد بن

ولیدؓ کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔

یہ لڑائی آخری انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ خالد بن ولیدؓ نے مصلحت اور حکمت عملی سے کام لیا اپنی افواج کو یوں واپس کیا کہ دشمن پر رُعب ودبدبہ بھی باقی رہا اور دشمن بھی واپس ہو گیا۔

روی اس وقت روئے زمین پر بہت بڑی طاقت تھے مگر اس جنگ سے مسلمانوں کی ساکھ کو بہت زیادہ سہارا ملا۔ بقیہ عرب پر اُن کی دھاک بیٹھ گئی۔

لیکن اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اس طرح واپسی داخلی طور پر مدینہ کے مسلمانوں کو پسند نہ آئی اُنہوں نے ''غمخواری کی بجائے اُن کی واپسی پر اُن کے چہروں پر خاک پھینکی اور انہیں 'فراری'' کا لقب دیا''۔ اس صورتحال پر شہر مدینہ کئی دن افواہوں کی زد میں رہا۔

حضورؐ نے لوگوں کو سمجھایا کہ یہ سب مشیت ایزدی ہے۔ اس پر لوگ خاموش ہو گئے۔ ورنہ حالات بگڑنے کا اندیشہ تھا۔

سریہ ذات السلاسل : **(The Compaign of Dhat Al-Salasil)**

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے ایک بار پھر بلاد شام کے قبائل کی طرف مہم بھیجی۔ اس مہم کی سربراہی عمرو بن العاصؓ کے حصہ میں آئی۔ ابتدائی طور پر تین سو افراد تھے۔ ان کے پاس 30 گھوڑے تھے۔ جب دشمن کی طاقت کا اندازہ ہوا تو عمرو بن العاصؓ نے مزید کمک کیلئے حضورؐ کے پاس پیغام بھیجا۔ آپؐ نے حضرت ابوعبیدہ الجراح کو بھیجا اس کمک میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔

سلاسل ایک کنویں کا نام تھا یہاں تک پہنچنے میں تقریباً دس دن لگتے تھے۔ اس وجہ سے اس سریہ کا نام ذات السلاسل پڑا۔ (18)

عمرو بن العاص نے دشمن افواج کے دستوں کو جم کر لڑنے نہ دیا بلکہ اُن پر

غلبہ پائے رکھا اور اُنہیں منتشر کر دیا۔

مسلمانوں کی وہ شان وشوکت جو کسی وجہ سے مُوتہ کی وجہ سے گرد آلود ہو گئی تھی ایک دفعہ پھر بحال ہو گئی۔

دوسری طرف صلح حدیبہ کی وجہ سے مسلمان مکہ کی جانب پیش قدمی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر قدرت خدا کی کہ قریشیوں نے خود ہی معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا اس سے مکہ فتح کرنے کا راستہ کھل گیا۔

فتح مکہ

(رمضان 8ھ/ جنوری 630ء) The Conquest of Makkah

قرآن مجید نے صلح حدیبیہ کے وقت اعلان کیا تھا کہ ''ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی ہے'' اس وقت صحابہ کرامؓ کو یہ بات سمجھ نہ آ رہی تھی کہ بظاہر نظر آنے والی کمزوری فتح کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ فتح مبین دراصل فتح مکہ کی نوید تھی۔

دوسری طرف قریش مکہ کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ معرکہ موتہ میں مسلمانوں کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا ہے اس لئے اب اُن میں نہ تو مقابلہ کرنے کی ہمت ہے اور نہ ہی کوئی فیصلہ کن حملہ کی صلاحیت ہے۔

مسلمان شمالی علاقوں کی دو مہمات موتہ اور ذات السلاسل سے مطمئن تھے اگرچہ تھوڑے بہت حالات اُن میں چہ میگوئی کی فضا قائم کئے ہوئے تھے لیکن ایسی بات بالکل نہ تھی کہ مسلمانوں کی اجتماعی فضا میں کوئی خطرے کی گھنٹی محسوس کی جا سکتی۔

اس دوران ایک واقعہ رونما ہوا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق ہر قبیلے کو آزادی تھی کہ چاہے تو وہ قریش کا حامی بن جائے اور چاہے تو محمدؐ عربی کی معیت میں آ جائے۔ چنانچہ بنوبکر پہلے گروہ کے ساتھ ہو گئے اور بنوخزاعہ نے محمدؐ کا حلیف بننا قبول

کیا۔ دراصل یہ قبیلہ ابتداء ہی سے خاندان بنو ہاشم کا حلیف آ رہا تھا۔ (19)

دونوں قبیلوں میں پہلے جو کشمکش چل رہی تھی اس موقع پر وہ کھل کر سامنے آ گئی۔ بنوبکر نے ایک رات بنوخزاعہ کے کنویں پر حملہ کر دیا۔ بنوخزاعہ نے مکہ جا کر حرم میں پناہ لی اور اس واقعہ کی حضورؐ کو مدینہ میں اطلاع پہنچائی۔ عمرو بن سالم نے جب یہ واقعات مسجد نبویؐ میں بیان کیے تو مسلمانوں کے نبیؐ نے اپنی امداد کا اُنہیں یقین دلایا اور ساتھ ہی قریش کو ایک قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ بنوخزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کر دو یا بنوبکر کی حمایت چھوڑ دو اور آخری بات یہ ہے کہ اعلان کر دو کہ ہم معاہدہ حدیبیہ پر عمل نہیں کرتے۔ قریشیوں نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دیا مگر جلد ہی قریش اور ابوسفیان کو احساس ہوا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ کر انہوں نے غلطی کی ہے لہٰذا اس کی تجدید ضروری ہے۔ ورنہ مکہ کی دیواریں خون سے سرخ ہو جائیں گی۔ محمد عربیؐ کبھی بھی بنوخزاعہ کو اکیلا نہ چھوڑیں گے کیونکہ وہ معاہدات کو پورا کرنے میں مکمل عزم سے کام لیتے ہیں۔ اس خوف کی بنا پر ابوسفیان مدینہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ محمد ﷺ سے تجدید معاہدہ کرے۔ سب سے قبل وہ اپنی بیٹی اُم حبیبہ (اُم المومنین) کے پاس گیا۔ اُنہوں نے اپنے باپ کی سفارش تو کیا اُنہیں حضورؐ کے بستر پر بٹھانے سے انکار کر دیا، ابوسفیان حضورؐ کے پاس بذات خود گیا مگر آپؐ نے دوسری طرف منہ کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ سفارش کریں مگر انہوں نے اُس کی ایک نہ سنی۔

حضرت علیؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن وہاں سے کوئی معقول مدد کی پیشکش نہ ہوئی۔ حضرت فاطمہ الزہرؓا کا سہارا لینے کی کوشش کی اُنہیں کہا کہ وہ معاہدہ کی تجدید کروا دیں اُس کے بدلہ میں وہ آج سے امام حسن علیہ السلام کی سرداری تسلیم کرلیں گے۔ لیکن حضرت فاطمہؓ نے کہا حسن تو ابھی بچے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایسی

باتیں زیب نہیں دیتیں۔ تم کیوں ہم لوگوں میں تفرقہ ڈالنے کے بہانے تراشتے ہو۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ اس طرح ابوسفیان کا مشن ناکام ہو گیا اب اُس کی حالت یہ تھی کہ نہ ہی وہ صلح کر سکا اور نہ ہی واپس آ کر اپنے لوگوں کو کہ سکا کہ لڑائی کا بندوبست کیا جائے کیونکہ وہ مسجد نبویؐ میں یکطرفہ معاہدہ کی اعلان تجدید کر آیا تھا۔ (20)

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے مکہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں اور کوشش یہ کی کہ کسی کو حملہ کی خبر نہ ہو سکے تاکہ بغیر خون بہائے مکہ فتح ہو جائے۔ اس دوران ایک صحابی کا عجیب واقعہ منظر عام پر آیا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے عزیز واقارب مکہ میں تھے اُنہیں اس بات کا خیال آیا کہ شاید قریش کو اس حملہ کی اطلاع دیکر وہ اپنے عزیزوں کو ضرر سے محفوظ رکھ سکیں گے۔ اُنہوں نے قریش کو ایک خط سارہ نامی عورت کے ہاتھوں لکھ بھیجا۔ تاہم بروقت پتہ چل گیا۔ حضرت علیؓ اور دیگر ساتھی اس خط کو چھین لائے۔ سب لوگ ابن ابی بلتعہ کی اس کاوش پر مدتوں محو حیرت رہے۔

حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ایسا کرنے والے کا سر قلم کر دیا جائے مگر محمدؐ نے کہا اللہ نے اہل بدر کو معاف کر دیا ہے۔ (21)

مکہ پر حملہ کی خاطر مسلمانوں کا دس ہزار افواج پر مشتمل ایک لشکر روانہ ہوتا ہے۔ مرالظہر ان کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر ترتیب سے دور دور تک بکھر جاتا ہے تاکہ ہر طرف آگ کا آلاؤ روشن ہو جائے اور اہل مکہ پر اس بات کی دھاک بیٹھ جائے کہ مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنی آگ روشن کی گئی کہ وادی ایمن بقعۂ نور بن گئی۔

خون کی ندیاں بہانے کی بجائے محمدؐ عفو و درگزر کو اپنانے کا ارادہ کئے تھے۔ ابوسفیان کو معلوم ہوا تو خیمہ نبوی پر حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن

حضورؐ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

اللہ کے رسولؐ نے پوچھا کہ ابوسفیان! ''کیا تم کو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں'' کہنے لگا یقین تو ہے اگر کوئی اور خدا ہوتا تو ہماری مدد کرتا۔ حضورؐ نے پوچھا کہ ''کیا تجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں'' کہنے لگا اس میں ذرا سا ابھی شک باقی ہے۔ تاہم بخاری، طبری اور دیگر سیرت نگاروں نے یہاں لکھا ہے کہ ابوسفیان نے ایمان کا اقرار کیا اور سچا مسلمان بن گیا۔ حضورؐ نے حضرت عباس کو کہا۔ جاؤ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کردو اور افواج الٰہی کا جلال دکھاؤ۔

اُسی صبح رسول اللہ ﷺ اور لشکر مرالظہر ان سے بجانب مکہ روانہ ہوا۔ حضورؐ مہاجرین اور انصار کے درمیان فروکش تھے۔ لشکر طیبہ خوب دھوم دھام سے اللہ کی حمد وثنا اور خوشی کے ترانے پڑھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ انصار کا ایک نوجوان سعد بن عبادہ آواز دیتا ہے۔

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الحرمة (الكعبة)

نوجوان صحابی تھا۔ رگوں میں خون جوش مار رہا تھا اس لئے اس قسم کے جملے منہ سے نکلنا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔

مگر حضورؐ اس دن مکمل مہر ومحبت کا آئینہ بنے ہوئے تھے۔ آج رحمتہ للعالمین کی مکمل تصویر تھے۔ کہنے لگے نہیں۔

''آج کا دن وہ دن ہے جب کعبہ کی تعظیم کی جائے گی اور قریش کو اللہ عزت بخشے گا''

فوج مکہ میں داخل ہوگئی۔ ابوسفیان نے آ کر کہا کہ اے اہل قریش! آج تم محمدؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان کی بیوی ھند بنت عتبہ غصہ میں آ کر بولی ''بُرا ہوا ایسے

پیشرو خبر رساں کا اس پتلی پنڈلیوں والے کو مار ڈالو"۔

"دربار نبوت سے اعلان ہوا جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے اُسے امان ہے۔ جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے اُسے امان ہے جو مسجد حرام میں پناہ لے لے اُسے امان ہے"۔

اس اعلان کے باوجود چند سرپھروں نے مقابلہ کی ٹھانی اور لڑائی شروع کر دی۔ مسلمانوں کی افواج سے تین لوگوں نے جام شہادت نوش کیا یہ کرز بن جابر فہریؓ، حضرت جیشؓ اور حضرت سلمہؓ تھے۔ قریش کے بارہ یا تیرہ افراد اس موقع پر کام آئے۔

خاندان نبوت کا امین اب حرم پاک میں داخل ہوتا ہے۔ اعلان توحید کرتا ہے۔ اللہ کے گھر کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کرتا ہے۔ فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عرش بریں کے طاقچوں سے اُس دن فرشتوں نے ضرور یہ منظر دیکھا ہوگا جب اللہ کا نبی کہہ رہا تھا۔

جاء الحق وزهق الباطل۔ ان الباطل كان زهوقاً

"حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے والی چیز ہے"۔

دنیا والو! مکہ فتح ہو گیا۔ مسلمانوں کا جم غفیر سرخرو ہو گیا۔ قریش کا غرور خاک میں مل گیا۔ اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا۔ اس موقع پر اللہ کے نبی نے ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ آج بھی انسانیت کا منشور اعظم ہیں۔

"ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اُس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہر قسم کا فخر وغرور، انتقام، خون بہا سب میرے قدموں میں ہے صرف حرم کعبہ کی تولیت اور آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اے لوگو! اللہ نے

تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں اللہ کے نزدیک متقی وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے"۔ (22)

اس کے بعد حضورؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ اے اہل مکہ بتاؤ میں تم سے آج کیسا سلوک کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا۔

اخ کریم وابن اخ کریم

"تو شریف بھائی ہے اور شریف زادہ ہے"۔

میں آج تم سے وہی الفاظ کہوں گا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء

"تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو"۔

حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ حضورؐ صفا کی پہاڑی پر بیٹھ گئے لوگوں سے ہاتھ پر بیعت لیتے، عورتوں سے اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار کرواتے۔ اُم حکیم زوجہ عکرمہ نے اسلام قبول کیا۔ ہند زوجہ ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔ دیگر عورتوں اور مردوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مکہ میں حضورؐ نے 19 روز قیام کیا۔ آپؐ لوگوں کو تقویٰ اور شعائر اسلام کی تلقین کرتے رہے۔ آپؐ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ کوئی شخص آج کے بعد گھر میں بُت نہ رکھے اُسے توڑ دے۔ قتل کے بارے فرمایا کہ اگر کسی نے قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو دو باتوں کا اختیار ہوگا چاہے تو قاتل کا خون بہائیں اور چاہے تو دیت لے لیں۔

ایک یمنی ابوشاہ نے ان باتوں کو لکھنے کی اجازت چاہی حضورؐ نے فرمایا۔

اُکتبوا لابی شاہ (23) یہاں سے کتابت حدیث کا سرکاری آغاز ہوتا ہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عُزیٰ کا بُت ڈھانے کیلئے خالد بن ولیدؓ کو مقام غنہ بھیجا۔ اُنہوں نے ایک ننگی، کالی، گندے بالوں والی عورت کو دیکھا اُسے قتل کیا۔ واپس آ کر بتایا تو حضورؐ نے کہا یہی تو عُزیٰ تھی اب وہ مایوس ہو چکی تھی کہ تمہارے ملک میں اسکی کبھی پوجا نہیں ہوگی۔ (24)

سُواع نامی بت ڈھانے کیلئے عمرو بن العاصؓ کی ڈیوٹی لگی۔ حضرت سعد بن زیدؓ نے مناۃ کے بُت کو توڑا۔ اس طرح تمام بتوں کو توڑنے کے احکامات جاری ہوئے۔ مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی کہ شرک کا عرب کی فضاؤں سے خاتمہ ہوگیا۔ اللہ کا احسان عظیم ہوگیا۔ انسانیت جو اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کی غلام بنی ہوئی تھی اپنے خالق کی غلامی میں آ گئی۔ مشن نبوی کی تکمیل ہوگئی۔

جسم آلودہ تھے اور روحیں ناپاک۔ جسم وروح دونوں مُعطر ہو گئے۔ بے شمار قبائل اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے۔ اور قرآن کی آواز آئی۔

”اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجاً فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا“

(2:110)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی تو آپؐ نے دیکھا کہ لوگ جوق درجوق اللہ کے دین کو قبول کر رہے ہیں۔ پس آپ اللہ کی حمد بیان کرتے رہیں۔ اس سے استغفار چاہیں وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

باب ششم

صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک

1- مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 463
2- صحیح مسلم میں یہ واقعہ تفصیل سے منقول ہے
3- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 272
4- ایضاً
5- ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص 108
ابن قیم، زاد المعاد، ج 3، ص 60
6- ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص 137
ابن قیم، زاد المعاد، ج 3، ص 61
7- طبریٰ، تاریخ طبری، ج 3، ص 1572

''اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامہ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن جس کا نام باذان تھا فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں لائے۔ باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خسرہ تھا مدینہ منورہ روانہ کیا ان دونوں نے بارگاہ رسالت میں آ کر عرض کی کہ شہنشاہ عالم کسریٰ نے آپ کو بلایا ہے اگر تعلیم حکم نہ کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔ آپؐ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن میں آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ جو کہ خسرو پرویز کا بیٹا تھا نے اپنے باپ کو قتل کر دیا''۔

شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 1، ص 281
8- مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 483

9- مسند احمد بن حنبل، ج 4، ص 74، شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 280

10- ابن سعد، طبقات، ص 66، شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 285

11- یہ اعلان اس لئے کیا گیا کہ منافقین کی دل شکنی ہو وہ محض مال غنیمت کی خاطر غزوات میں شریک ہوتے تھے اور بعد میں دھوکہ کا سبب بن جاتے۔

12- صحیح بخاری، غزوہ خیبر کے ذیل میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے۔

13- ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا ھیکل نے بھی اس روایت کو قبول کیا ہے۔ جبکہ علامہ شبلی نعمانی نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں مرحب کا قتل بتایا ہے، ص 293

14- ھیکل لکھتے ہیں کہ یہ حضورؐ کا ذاتی حصہ نہ تھا، بلکہ سربراہ ریاست کے طور پر تھا، بات بڑی معقول ہے، ص 607

15- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 299

16- Haykal, ***The Life of Muhammad,*** P.388

17- سلمان منصور پوری، رحمتہ للعالمین، ج 2، ص 271

18- ابن قیم، زاد المعاد، ج 2، ص 157

19- مبارکپوری، الرحیق المختوم، حاشیہ، ص 205

20- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 1، ص 306

21- ایضاً

22- صحیح بخاری، فتح مکہ کے ذیل میں تفصیلات موجود ہیں۔

23- ایضاً۔ ان الفاظ کو تدوین حدیث کے حوالے سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ ابتداء میں حضورؐ نے حدیث لکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ یہ الفاظ اجازت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضورؐ کی زندگی میں کتابت حدیث شروع ہوگئی تھی۔

24- مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 557

باب ہفتم

غزوہ حنین سے عاداتِ مبارکہ تک

From Hunayn to Prophets Death

غزوہ حنین وطائف: (Compaigns of Hynayn and Taif)

مکہ سے طائف کی طرف جائیں تو راستہ میں ایک خوبصورت وادی دیکھنے کو ملتی ہے یہ حنین ہے۔ یہاں ھوازن اور ثقیف نامی قبائل آباد تھے۔ یہ لوگ نہایت تند خو اور فنون حرب سے واقف تھے۔ جب مسلمانوں نے حضور کی قیادت میں مکہ فتح کیا تو اُنہیں یہ بات پسند نہ آئی۔ انہوں نے مالک بن عوف کی سرکردگی میں مکہ پر چڑھائی کا فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے پہاڑوں کی گھاٹیوں، کھوہوں اور دروں میں فوج تعینات کر دی۔ معرکہ گاہ میں پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کرلیا۔ عورتوں اور بچوں کو آگے رکھا تاکہ ان کی حفاظت کیلئے افواج اپنی خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں۔ یہ ایک جنگی چال تھی جو کامیاب ثابت نہ ہوسکی۔

مسلمانوں کو جب ان سرگرمیوں کا علم ہوا تو وہ بھی آگے بڑھے وہ فتح کے نشہ میں پہلے ہی مخمور تھے وہ سارے عرب کو اپنے سے کم تر تصور کر رہے تھے اُن کا نعرہ تھا کہ ''آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے'' یہ فخریہ جملہ بعد میں پشیمانی کا سبب بھی بنا۔ مسلمانوں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ صبح سویرے دشمن پر پوری قوت سے حملہ کر دیا اور کفار کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا اور خود مال غنیمت پر پل پڑے۔ بے خبری سے فائدہ اٹھا کر دشمن کے تیر اندازوں نے اُحد کی یاد تازہ کر دی۔ اس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی اور انتشار پیدا ہوگیا۔ (1)

مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بھاگ گئی۔ رسول اللہؐ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو بھگدڑ مچی ہوئی ہے کہ کوئی کسی کی طرف دیکھ نہ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پکارا۔ لوگو!

انا النبی لا کذب : انا ابن عبدالمطلب

''میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''۔ (2)

پھر حضورؐ نے اپنے چچا حضرت عباس کو کہا کہ لوگوں کو پکارے۔ انہوں نے یوں آواز لگائی یا معشر الانصار، یا اصحاب الشجرہ، یا اصحاب سورۃ البقرہ (این انتم) اے گروہ انصار، اے بیعت رضوان والو، اے سورۃ بقرہ والو (کہاں ہو تم)

اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ ایسے مڑے جس طرح گائے اپنے بچھڑے ہوئے بچوں کی آواز سن کر مڑتی ہے۔ انہوں نے لبیک لبیک کے نعرے لگائے اور جمع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان ایک دوسرے کے پیچھے آگے جم جم کر لڑنا شروع ہوئے۔ بس پھر کیا تھا جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مسلمانوں کی تلواریں کھنکھنانے لگیں۔ برق ہر سو چمکنے لگی دھواں دھار جنگ تھی۔ ایک گھمسان کا رن تھا کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ مشیت ایزدی سے کفار کو شکست ہوگئی۔ وہ بھاگ نکلے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ قرآن مجید اس واقعہ پر یوں گویا ہوا:

''اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر تسکین (اطمینان قلب) نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کو عذاب کیا اور کافروں کو یہی سزا (ملتی) ہے''۔ (26:9)

شکست خوردہ فوج نے طائف کا رُخ کیا اُن میں سے کچھ نے اوطاس کا سفر اختیار کیا، کچھ نخلہ کی طرف بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعامر

اشعریؓ کے ماتحت کچھ فوج اوطاس بھیج دی۔ مشرکین وہاں سے بھاگ گئے لیکن صحابی رسولؐ ابو عامرؓ اس جھڑپ میں شہید ہو گئے۔ (3)

مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد نے نخلہ جانے والوں کا تعاقب کیا درید بن صمہ کو جا پکڑا جسے ربیع بن رفیع نے قتل کر دیا۔

اسیران جنگ میں حضرت شیماؓ بھی شامل تھیں جو حضورؐ کی رضاعی بہن تھیں حضورؐ نے اُن سے شفقت کا برتاؤ کیا۔ اُنہوں نے خاندان کے ساتھ وطن واپس جانا چاہا تو آپؐ نے بخوشی اجازت دے دی۔

اس کے بعد حضورؐ نے بنفس نفیس طائف کی طرف روانہ ہونے کی ٹھانی۔ طائف کا محاصرہ علیحدہ سے لڑائی نہ تھی بلکہ حنین کی لڑائی کا تتمہ تھی کیونکہ بے شمار افراد اپنے کمانڈر مالک بن عوف نضری کے پیچھے بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ آپؐ طائف کے قریب خیمہ زن ہو گئے اور اس علاقے کا محاصرہ کر لیا۔

دوران محاصرہ تیر اندازی کے واقعات ہوتے رہے، پتھر بازی بھی ہوئی، حضورؐ نے پہلی بار منجنیق کا استعمال کیا اور گولے پھینکے، اس سے قلعے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔

دشمنوں نے لوہے کے دہکتے ہوئے ٹکڑے پھینکے اور تیروں کی بارش کی، اس سے کافی مسلمان شہید ہو گئے۔

حضورؐ نے انگوروں کے باغوں کو جلانے کا حکم دیا لیکن ثقیفؓ کی درخواست پر یہ حکم واپس لے لیا۔ نیز آپؐ نے اعلان کیا کہ جو غلام قلعہ سے اُتر کر ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد سمجھا جائے گا اس پر 23 آدمی مسلمانوں کے پاس آ گئے۔

محاصرہ 20 روز سے زیادہ جاری رہا۔ حضورؐ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ اس پر حضرت نوفل بن معاویہؓ نے کہا کہ ''لومڑی اپنے بھٹ میں

گھس گئی ہے اگر کوشش رہی تو پکڑلیں گے اگر چھوڑ دی گئی تو ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی"۔ حضورؐ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دیا لوگوں نے ثقیف والوں کو بددعا دینے کا کہا مگر حضورؐ نے ارشاد کیا۔

اللھم اھد ثقیفاً وائت لھم

"اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں"۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے رحمتہ للعالمین کی فاتح ہو کر بھی مفتوح کیلئے دعا گو ہیں۔ آپؐ کی دعا کے نتیجے میں 9ھ میں ثقیف کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ باقی واقعات کا ذکر آگے آرہا ہے۔

غزوہ تبوک: (9 ہجری) *(Compaign of Tabuk)*

"With the conquet of Mecca, Islam marched with galloping speed throughout the length and breadth of Arabia, with marked and marvellous success. It carried on peaceful conquest of conversions. The neighbouring christian states, especially the great Roman Empire, were watching this unprecedented trumphant march with a great concern and anxiety. They grew jealous of this rapid and menacing growth of Islam. Under the circumstances, they thought that a consolidated attack on Arabia would at least hamper this menacing growth of Islam. For this purpose the Romans, under the Instructions of Heraclues, collected a large army". (4)

رجب 9ھ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہؐ کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر چالیس ہزار افرادی قوت کے ساتھ جمع کر لیا ہے اور اس لشکر میں عیسائی عرب بھی شامل ہیں۔ یہ لشکر مدینہ پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے۔

آنحضورؐ نے تمام قبائل عرب میں اعلان کر دیا کہ اپنے افراد اور مالی اعانت کے ساتھ حاضر ہوں۔ مدینہ کے مسلمانوں میں بھی یہ اعلان کر دیا گیا۔ مگر موسم سخت گرمی کا تھا۔ منافقین اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے قرآن مجید نے اُن کی اس چال کو یوں کہہ کر ناکام کر دیا۔

وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جهنم اشد حراً لو كانو يفقهون O فليضحكوا قليلاً وليبكوا كثيراً بما كانو ايكسبون (82-81:9)

”وہ (منافقین) کہتے ہیں گرمی میں نہ نکلو، کہو جہنم کی گرمی اس سے بھی سخت ہے اگر وہ سمجھیں تھوڑا سا ہنس لیں اور زیادہ روئیں گے جو کچھ وہ کرتے ہیں“۔

اس غزوہ میں حضرت عثمان غنیؓ نے 200 اوقیہ چاندی اور 200 اونٹ پیش کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی 200 اوقیہ چاندی راہ خدا پر لا کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سارا مال خدمت میں حاضر کر دیا اور جب رسول اللہ نے پوچھا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو تو بقول شاعر!

پروانے کو چراغ اور بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کیلئے ہے خُدا کا رسول بس

حضرت عمرؓ نے آدھا مال خیرات کیا۔ حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ بے شمار اسباب کے ساتھ حاضر ہوئے۔ (5)

جو لوگ کچھ نہ لا سکے وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کرنے لگے کہ

ہمارے پاس اسباب کی کمی ہے اور سواری کی ضرورت ہے۔ ہم کیا کریں! لیکن اللہ نے اُن کی شرکت کی دعوت قبول کر لی اور اُن کے بارے یہ آیات نازل ہوئیں۔

''اور اُن لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے جو تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہاں ہے جس پر تم کو سوار کر سکوں تو واپس گئے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے''۔

اس بنا پر اس لشکر کو ''جیش العسر ۃ'' کہا گیا یعنی تنگی کا لشکر۔ محمدیؐ لشکر اپنی آب وتاب اور جلال کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے مدینہ اور مضافات کی چھتوں پر چڑھ کر قدرت خداوندی کا نظارہ کرتے ہیں۔ جب یہ لشکر ثمود (اصحاب حجر) کی بستی سے گزرتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ پانی پینے سے منع کر دیتے ہیں اگر کسی نے آٹا گوندھ لیا تھا تو اُسے اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم دیتے ہیں۔ وہاں سے جلدی نکلنے کا حکم ملتا ہے۔

حجر سے مقام تبوک جو مدینہ اور دمشق کے درمیان تھا صرف چار منزل رہ گیا وہاں پہنچ کر اللہ کے رسولؐ ڈیرہ ڈال دیتے ہیں اور مزید خبروں کا انتظار کرتے ہیں۔ رومیوں کو پتہ چلا تو وہ قلعہ بند ہو گئے حضورؐ کی خواہش حملہ کی نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے تعاقب نہ کیا۔ ایلہ کا عیسائی سردار یوحنا حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کرتا ہے اور ایک خچر پیش کرتا ہے۔ جواباً حضورؐ اُسے ایک سفید چادر عطا کرتے ہیں اور اُس سے امن کا معاہدہ کرتے ہیں۔ (6)

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ حضرت خالد بن ولیدؓ کو چار سو سواروں کا دستہ دیکر دومتہ الجندل کی طرف راونہ کرتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ علاقے کے سردار کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اکیدر ''سردار دومتہ''

اسلام قبول کر لیتا ہے اور حضورؐ کا حلیف بن کر زندگی گزارتا ہے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے یہاں 20 دن گزارے اور واپس مدینہ کا رُخ کیا۔

جب یہ لشکر مدینہ واپس آیا تو جو لوگ کسی وجہ سے ساتھ نہ جا سکے تھے اب اپنی اپنی صفائیاں پیش کرنے لگے ان میں کعب بن مالک، مُرۃ بن الربیع اور ہلال بن اُمیہ بھی شامل تھے قرآن مجید نے ان افراد کو نئی زندگی شروع کرنے کی اجازت دے دی اور معاف کر دیا جب اللہ کا رسول ﷺ رحم کرنے کا عادی ہو تو اللہ نے انہیں کیوں معاف نہ کرنا تھا............

تاہم منافقین کے خلاف سخت ایکشن لیا گیا۔ اُنہوں نے اس دوران مسجد ضرار بنائی تھی جس میں وہ بیٹھ کر سازشیں کرتے تھے اُسے گرانے کا حکم دے دیا گیا۔ (7)

''اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی، ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کیلئے اور کمین گاہ بنانے کے لئے اس شخص کے واسطے جو پہلے سے خدا اور رسول سے لڑ رہا تھا اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی، اللہ گواہ ہے کہ لوگ جھوٹے ہیں۔ تو اس مسجد میں ہرگز کھڑا نہ ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو اس میں ایسے مرد ہیں جو پاک ہیں۔ جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

انہی ایام میں منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی فوت ہو گیا تو منافقین کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔

غزوہ تبوک کے اثرات:

عرب میں اسلام کی طاقت کے سوا اب کوئی دوسری طاقت موجود نہ رہی۔

اس طرح اسلام کو پورے عرب کا فاتح مذہب قرار دیا گیا۔ منافقین کی بچی کھچی

آرزوئیں ماند پڑ گئیں کیونکہ اُن کی منافقت کا پردہ چاک ہو گیا۔ رومی طاقت کا بھرم کھل کر سامنے آ گیا۔

بے شمار وفود اسلام قبول کرنے کیلئے مدینہ آنے شروع ہو گئے۔

9ھ کے اہم واقعات کا احاطہ:

1- عویمر عجلانی اور اُس کی بیوی کے درمیان لعان کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر سورۃ النور میں موجود ہے۔ (لعان میاں بیوی میں تفریق کا طریقہ کار ہے)

2- غامدیہ نے اپنی بدکاری کا اقرار کیا تھا لہٰذا اُسے رجم کی سزا سنائی گئی رجم کی سزا کا قرآن مجید میں ذکر نہ ہے تاہم یہ سزا سُنت سے ثابت ہے۔ یہ ایسی سنت ہے جو صرف عہد نبوی میں ادا ہوئی۔ تاریخ اسلام اس قسم کی سزا بعد میں کسی پر لاگو ہونے کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

3- شاہ حبشہ نے وفات پائی۔ حضورؐ نے اُس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ یہ سنت رسولؐ آج تک ادا کی جاتی ہے کہ مرنے والوں کی غائبانہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

4- عبداللہ بن اُبی نے وفات پائی حضورؐ نے اس کیلئے دعائے مغفرت کی اور نماز جنازہ پڑھی مگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرما دیا۔

5- سود کی حُرمت کے احکامات بھی نازل ہوئے۔ اس کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا۔ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دے دیا۔ فرمایا احل اللہ البیع وحرم الربوا

6- زکوۃ کا حکم نازل ہوا اور وصولی زکوۃ کیلئے عمال مقرر ہوئے۔ یہ طریقہ کار باقاعدہ نظام کی حیثیت اختیار کر گیا نیز غیر مسلم قوموں سے جزیہ وصول کرنے کا حکم نازل ہوا۔ اسلامی ریاست کی مستقل آمدنی کا بندوبست ہو گیا۔ طائف کے مال غنیمت میں سے حضورؐ نے اپنا حصہ خمس مقرر کیا۔ ابھی

تقسیم کا عمل جاری تھا کہ ہوازن اور ثقیف والے آ پہنچے۔

مقام جعرانہ اور مال غنیمت:(Juranah and Booty)

ہوازن اور ثقیف اور طائف کی فتوحات نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی دولت سے نوازا تھا۔ حضورؐ نے پانچواں حصہ اپنے لئے مخصوص کیا اور باقی کا تقسیم کر دیا۔

اس دوران قبیلہ ہوازن والے اپنے مال اور عورتوں اور بچوں کو واپس لینے آ پہنچے۔

حضورؐ نے ان کی گزارشات سنیں اُن میں سے ایک نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اسیران جنگ میں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور دایہ ہیں جو آپؐ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ انہوں نے آپؐ کو اپنی گودوں میں پالا، دودھ پلایا، ہم آپؐ کے اہل کنبہ ہیں آپؐ ہم پر احسان کریں اللہ آپؐ پر احسان کرے گا۔

تمام باتوں کو سن کر حضورؐ نے پوچھا کہ اپنے بچوں اور عورتوں کی واپسی چاہتے ہو یا اموال کی؟ ایک کا انتخاب کر لیں کیونکہ مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہے اُن لوگوں نے اموال کی بجائے اولاد کو قبول کیا۔

اس پر حضورؐ نے اپنے حصہ کے اموال کے بارے کہا کہ میں تمہیں واپس کرتا ہوں۔ باقی ظہر کی نماز کے وقت جب صحابہ جمع ہوں گے تو دوبارہ مسئلے کو اٹھانا تاکہ حل کر دیا جائے۔ اس طرح نماز ظہر کے وقت حضورؐ نے تمام افراد کو اس بات پر آمادہ کیا کہ قیدی واپس کر دیں۔ اگر کسی نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو حضورؐ نے اُنہیں آنے والے مال میں سے چھ گناہ زیادہ دینے کا وعدہ کر کے تمام قیدیوں کو قبیلہ ہوازن کے حوالے کر دیا۔ اس طرح یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔

دوسرا معاملہ انصار کی ناراضگی کا تھا۔ حضورؐ نے مولفتہ القلوب کی خاطر نئے لوگوں کو زیادہ حصہ دیا۔ اس پر انصار کے دل میں ملال آیا اور اس کا اظہار بھی انہوں

نے کیا۔ معاملہ حضورؐ تک پہنچا تو آپؐ نے انہیں بلا کر پوچھا حمد وثناء کے بعد ان کی دلجوئی کی خاطر جو الفاظ ادا کیے وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپؐ نے استدلال کا وہ طریقہ اختیار کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ انصار کی ایسی شان بیان ہوئی کہ وہ اپنا حصہ تو کیا مانگتے، روتے روتے اُن کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔

اللہ کے نبی نے فرمایا: ''اے انصار تم کیا چہ میگوئیاں کر رہے ہو اور کیا ناراضگی محسوس کر رہے ہو کیا ایسا نہیں کہ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم حالت گمراہی میں تھے اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور محتاج تھے اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا، تم باہم دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا''۔

انصار سُن کر خاموش رہے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا تم کیوں جواب نہیں دیتے کہ!

''یا رسول اللہ آپؐ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا گیا ہم نے آپؐ کی تصدیق کی۔ آپؐ کو بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا ہم نے آپؐ کی مدد کی آپ محتاج تھے ہم نے آپؐ کی غمخواری کی''۔

اے انصار ''کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں اپنے گھر لے جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو لیکر اپنے گھروں کو پلٹو''۔

اس خطاب کا سُننا تھا کہ لوگوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں وہ اپنے کیے پر نادم ہونے لگے یہاں تک وہ خوش وخرم نظر آنے لگے۔(8)

اللہ کا دین غالب آ گیا (Allah`s Din Overcomes)

اللہ کا رسول ﷺ مکہ، حنین اور طائف کو فتح کرنے کے بعد انصار ومہاجرین کے ساتھ خوش وخرم مدینہ واپس آ گیا۔ دنیا پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ محمدؐ کا مقابلہ عرب کی سرزمین پر کم از کم اب کوئی نہیں کرسکتا۔

عرب کے اکثر قبائل اب اپنی وفاداری کا دم بھرنے کیلئے حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ شاعروں کی شاعری، سرداوں کی سرداری اور کاہنوں کی شعبدہ بازی اب کسی کام کی نہ تھی۔

مشہور شاعر کعب بن زہیر ایک صبح مسجد نبویؐ میں حاضر ہوا اور اپنی مشہور نظم کے اشعار پڑھنے کے بعد مسلمان ہو گیا۔

قبیلہ طے کا سردار زید الخیل مدینہ آیا اور قبیلہ سمیت مسلمان ہو گیا۔ آپؐ نے ان کا نام زید الخیل کی بجائے زید الخیر رکھ دیا۔

اس دوران حاتم بن عدی کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو گیا ہے تو وہ شام کی سرحد کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن اس کی بیٹی اور بہن گرفتار ہو گئیں۔ گرفتاری کے بعد اُنہیں مسجد نبوی کے قریب قید رکھا گیا۔ ایک دن اُن کی بیٹی کی آواز آپؐ تک پہنچ گئی اور معافی کی خواستگار ہوئی حضورؐ نے اُنہیں معاف کر دیا ابن عدی کا یہ سننا تھا فوراً مدینہ پہنچے اور اسلام کی بالادستی قبول کر لی۔ اس کے علاوہ بے شمار افراد اور قبیلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور آپ کے پیغام پر لبیک کہا۔

فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد 10 ہزار تھی۔ غزوہ تبوک کے موقع پر 30 ہزار ہو گئی۔ حجۃ الوداع کے سال سوا لاکھ مسلمان حاضر تھے۔ اس کے بعد لوگ جوق در جوق مسلمان ہو گئے۔ (9)

ورایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجاً

النبی الخاتم کی زندگی سے ایک ورق:

(A page from the life of the Prophet)

آپؐ کی چار بیٹیاں تھیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت اُم کلثومؓ، حضرت رقیہؓ۔ اس سال حضرت زینبؓ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ آپ کی زندگی کے

اور کچھ چھوڑ دیا پھر جب اُن سے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے علیم وخبیر نے خبر دی"۔(3:66)

"اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ کے مقابلے میں انکار کرو تو خدا اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے اللہ کے مددگار ہیں"۔(4:66)

بعض سیرت نگار یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس دوران تمام بیویوں نے دنیاوی زندگی خوشحالی سے گزارنے کیلئے نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ بھی کر دیا۔ اس دوران اتفاق سے یہ واقعہ سامنے آیا کہ آپ گھوڑے سے گر پڑے آپ کی پنڈلی مبارک پر زخم آ گیا اور آپؐ نے بالا خانے پر تنہائی اختیار کی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہاں حضرت عمرؓ کی ایک روایت پر تقریباً تمام تذکرہ نگار متفق ہیں اس لئے ہم بھی اسی کا سہارا لیتے ہیں۔

"قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور اُن پر غالب رہتے تھے۔ لیکن مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں۔ اُن کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی اُن کی تقلید شروع کر دی۔ ایک دن کسی بات پر میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا۔ اُنہوں نے الٹ کر جواب دے دیا۔ میں نے کہا: تم میری بات کا جواب دیتی ہو! بولیں تو کیا ہوا رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اُن کو برابر جواب دیتی ہیں یہاں تک کہ دن بھر حضورؐ سے روٹھی رہتی ہیں۔ میں نے دل میں کہا غضب ہو گیا۔ اُٹھ کر حفصہؓ کے پاس آ گیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرتؐ سے رات بھر روٹھی رہتی ہے۔ حفصہؓ نے اقرار کیا میں نے کہا تجھ کو یہ خیال نہیں کہ رسولؐ کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔ بخدا رسول اللہ ﷺ میرا خیال کرتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے.......... کچھ رات گئی میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے

اور کچھ چھوڑ دیا پھر جب اُن سے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے علیم وخبیر نے خبر دی"۔(3:66)

"اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ کے مقابلے میں انکار کرو تو خدا اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے اللہ کے مددگار ہیں"۔(4:66)

بعض سیرت نگار یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس دوران تمام بیویوں نے دنیاوی زندگی خوشحالی سے گزارنے کیلئے نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ بھی کر دیا۔ اس دوران اتفاق سے یہ واقعہ سامنے آیا کہ آپ گھوڑے سے گر پڑے آپ کی پنڈلی مبارک پر زخم آ گیا اور آپؐ نے بالا خانے پر تنہائی اختیار کی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہاں حضرت عمرؓ کی ایک روایت پر تقریباً تمام تذکرہ نگار متفق ہیں اس لئے ہم بھی اسی کا سہارا لیتے ہیں۔

"قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور اُن پر غالب رہتے تھے۔ لیکن مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں۔ اُن کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی اُن کی تقلید شروع کر دی۔ ایک دن کسی بات پر میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا۔ اُنہوں نے الٹ کر جواب دے دیا۔ میں نے کہا: تم میری بات کا جواب دیتی ہو! بولیں تو کیا ہوا رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اُن کو برابر جواب دیتی ہیں یہاں تک کہ دن بھر حضورؐ سے روٹھی رہتی ہیں۔ میں نے دل میں کہا غضب ہو گیا۔ اُٹھ کر حفصہؓ کے پاس آ گیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرتؐ سے رات بھر روٹھی رہتی ہے۔ حفصہؓ نے اقرار کیا میں نے کہا تجھ کو یہ خیال نہیں کہ رسولؐ کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔ بخدا رسول اللہ ﷺ میرا خیال کرتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے.......... کچھ رات گئی میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے

دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے۔ انہوں نے کہا غضب ہوگیا میں نے کہا: کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے؟ بولے نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے! میں نے صبح کی نماز حضورؐ کے ساتھ ادا کی۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر بالا خانے جا کر بیٹھ گئے۔ میں حفصہؓ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ حفصہؓ کے پاس سے اُٹھ کر مسجد نبوی میں آیا دیکھا تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں اُن کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت میں اضمحلال تھا اُٹھ کر بالا خانے کے پاس آیا اور رباح سے کہا کہ حضورؐ کو اطلاع کرو لیکن آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ میں اٹھ کر مسجد میں آیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بے تاب ہو کر بالا خانے کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی۔ جب کچھ جواب نہ ملا تو میں نے پکار کر کہا کہ "رباح میرے لئے اذن مانگ۔ شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ فرمائیں تو "میں حفصہؓ کی گردن اڑا دوں گا" آپؐ کو عمرؓ کی اطلاع ہوئی تو اندر آنے کی اجازت ملی۔ اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کھردری چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ادھر ادھر نظر اُٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے پر کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے سبب پوچھا، میں نے عرض کی اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا سبب ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں، اور آخری پیغمبرؐ ہو کر آپؐ کی یہ حالت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ کو دنیا ملے اور ہمیں آخرت کا اجر و ثواب۔ میں نے کہا "کیا آپؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق دی؟" آپؐ نے فرمایا "نہیں" میں اللہ اکبر پکار اُٹھا۔ پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہؓ مغموم بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو جا کر خبر کر

دوں کہ واقعہ غلط ہے''۔

ایلاء کی مدت ایک ماہ ہوتی ہے جس میں مرد یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات نہ رکھے گا۔ حضورؐ کو ایک ماہ گزر رہا تھا آپؐ بالا خانے سے اتر آئے اور باریابی کی اجازت ہوگئی۔(10) اس پر آیت نازل ہوئی۔

''اے پیغمبرؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تمہیں دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تمہیں رخصتی جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کر دوں اور اگر اللہ، اللہ کا رسولؐ اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکوکاروں کیلئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے''۔(4:33)

مستشرقین کا واویلا: (The Cry of Orientalists)

حضورؐ کی نجی زندگی کے واقعات کیوں قرآن میں بیان ہوئے یہ اعتراض مستشرقین نے اپنی تحریروں میں اٹھایا ہے کہ پہلے تو کسی نبی کے حالات مقدس کتابوں میں نہیں ہیں حالانکہ انجیل حضرت عیسیٰؑ کے حالات زندگی سے بھری پڑی ہے ابراہیمؑ اور لوطؑ کے قصے عام ہیں۔

یہ بڑا سطحی سا اعتراض ہے جس کا جواب محمد حسین ھیکل نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ ''قرآن میں اس طرح کے واقعات کا ذکر افراد کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کیلئے مشعل راہ ہوتا ہے۔ کیا نبیؐ کی زندگی صرف اُن واقعات سے پُر ہو جو اچھے تو ہوں مگر دوسروں کے لئے نشان راہ کا کام نہ دیں۔ حالانکہ قرآن حضورؐ کی زندگی کے واقعات بیان کر کے انسانوں کیلئے راہ عمل مہیا کرتا ہے''۔(11)

قرآن مجید کے مطابق آپؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔ آپؐ کی ذات جامعیت، کاملیت اور عملیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ آپؐ دنیا کی رہنمائی کیلئے اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ مکہ میں رہ کر آپؐ نے بے شمار تکالیف برداشت کیں۔ مگر

صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ جنگ خندق کے وقت صحابہؓ نے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔ آپؐ نے دو باندھ رکھے تھے۔ اُحد کے میدان میں آپؐ کی ثابت قدمی نہ ہوتی تو نہ جانے آج دنیا کا کیا نقشہ ہوتا۔ تبوک کے میدان میں حضورؐ مرد آہن ثابت نہ ہوتے تو کس کی فتح ہوتی۔ آپؐ کا ایک ایک لمحہ افراد کی تربیت کا باعث بنا۔ جہاں کہیں آپؐ کی زندگی پر منافقین نے سازش کا جال بچھایا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں حضورؐ کی پاکیزگی اور اعلیٰ کردار کی وضاحت کر دی۔ حضرت زینبؓ کا واقعہ، حضرت عائشہؓ کا واقعہ اور دیگر رازدارانہ باتوں والے واقعات اس سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔

زکوۃ اور خراج کے احکامات:(Zakat and Kharaj)

مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا۔ طائف اور حنین فتح کر لیا۔ تبوک پر آپؐ کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس بات سے ایک طرف اُن کو بہت تقویت ملی دوسری طرف اُن کی زندگیوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی اب اجتماعی کفالت کیلئے مسلمانوں کو زکوۃ اور عشر کے احکامات جاری کئے گئے۔ اگر کوئی اپنے سابقہ دین پر ہی رہنا چاہتا ہے تو وہ جزیہ اور خراج ادا کرے۔ 9ھ کا ہلال طلوع ہوتے ہی آپؐ نے قبائل کے پاس صدقات کی وصولی کیلئے عمال روانہ کئے۔ ان عمال کی تعداد تقریباً 16 کے لگ بھگ تھی۔

صحیح بخاری میں ایک روایت کا تذکرہ ملتا ہے حضرت عدیؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں خدمت نبویؐ میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر فاقہ کی شکایت کی پھر دوسرے آدمی نے رہزنی کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا: ''اے عدیؓ کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اُسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے تم دیکھو گے کہ آدمی چلو بھر کر سونا یا چاندی نکالے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرے تو اُسے

قبول کرنے والا نہ ملے گا''۔(12)

مسلمانوں نے دیکھا کہ ایسا وقت آیا کہ زکوۃ دینے والے زکوۃ لئے پھر رہے ہیں مگر لینے والا کوئی نہیں تھا۔

فریضہ حج ابوبکرؓ کی سیادت میں:

(Abu Bakar Leads the Pilgrimage)

اب تک کعبہ کا طواف برہنہ کیا جاتا تھا اس قبیح رسم کے خاتمہ کا اعلان ضروری تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے طریقے کا احیاء ضروری تھا۔ تبوک سے فارغ ہو کر 9ھ میں حضورؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ کیا۔ اس کی سیادت حضرت ابوکر صدیقؓ کو سونپی گئی۔

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ کعبہ کا طواف مشرکین اور دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے طریقوں سے کرتے چلے آرہے تھے اور مسلمانوں کے عرب قبائل سے کچھ معاہدات بھی تھے جس کے مطابق وہ مسجد حرام میں آجا سکتے تھے۔ ان معاہدات سے برات کے اظہار کا وقت آ گیا تھا۔ اس مقصد کے لئے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا گیا کہ وہ مشرکین سے اعلان برات کریں اور انہیں بتا دیں کہ آئندہ سال سے وہ قبیح رسومات کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ تاہم اس سال ان پر کوئی پابندی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو حج کی تعلیم دی۔ مسائل بیان کئے اس کے بعد حضرت علیؓ نے اعلان برات کیا اور سورۃ توبہ کی یہ آیات پڑھ کر سنائیں:

''اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا (اور انہوں نے معاہدہ توڑ دیا) ان کی خدا اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے (اب اے مشرکین) چار مہینے کی تم کو مہلت ہے تم ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے۔ حج اکبر کے دن لوگوں کو اعلان عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین

کا اب ذمہ دار نہیں۔ اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لئے یہ بہتر ہے۔ اور اب بھی پھرے رہے تو یقین کرو کہ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے۔ اے پیغمبر! تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دے لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اس کے ایفاء میں تمہارے ساتھ کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں اُنہوں نے دشمن کی مدد کی تو زمانہ معاہدہ کو تم پورا کرو۔ خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہیں اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئیں''۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ سال کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا۔ کوئی شخص کعبہ کا طوائف برہنہ نہ کر سکے گا۔ کوئی مشرک حرم میں داخل نہ ہو سکے گا۔

اس اعلان سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اللہ کا کلمہ بُلند ہے۔ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس کو شریک ٹھہرانے والا اُس کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔

حجتہ الوداع (The Farewell Pilgrimage)

اللہ ایک ہے، اُسے کسی نے پیدا نہیں کیا اور نہ ہی اُس کا کوئی بیٹا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، محمدؐ اُس کے رسول ہیں، یہ تھی وہ تعلیم جس کی بنیاد پر پورا عرب ایک نئے معاشرے کو جنم دینے چلا تھا۔ اس پیغام پر لوگوں کو لبیک کہلوانے کے لئے 10ھ کو حضورؐ نے اپنے حج کا اعلان فرمایا۔ اطراف میں منادی کرا دی گئی۔ عرب کے تقریباً ہر فرد کی خواہش تھی کہ وہ حضورؐ کا ساتھ دے اور حج کرے۔

"In the 10th year of Hijrah, the Holy Prophet proclaimed his intention of going on the Haj to Mecca. He sent Messangers to all parts of Arabia asking them to join him in this great pilgrimage. The people responded but the tens of thousands". (13)

اللہ کے نبیؐ نے ذی قعدہ میں جبکہ چار یا پانچ دن باقی تھے جانوروں کو قلادۃ پہنا کر کوچ کا حکم دیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر عصر کی نماز ادا کی۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد احرام باندھا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور لبیک لبیک کے کلمات بلند کئے۔ قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے مکہ پہنچنے سے قبل ذی طویٰ میں پڑاؤ کیا۔ صبح نماز پڑھ کر مکہ میں داخل ہوئے۔

سب سے قبل آپؐ نے کعبہ کا طواف کیا۔ پھر صفاء و مروہ کے درمیان سعی کی، آپؐ نے حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھ رکھا تھا اس لئے احرام نہ کھولا، باقی اصحاب کو احرام کھولنے کا حکم دیا۔ ترویہ کے دن آپ مِنیٰ تشریف لے گئے اور 9 ذی الحجۃ کی صبح تک قیام فرمایا۔ صبح کی نماز پڑھ کر میدان عرفات کی جانب گامزن ہوئے۔ وادی نمرہ میں نزول فرمایا اور ایک لاکھ چالیس ہزار افراد کو جو خطبہ دیا وہ انسانیت کیلئے منشور اعظم ہے۔ اُس کے الفاظ یہ تھے۔

''لوگو! میری بات غور سے سنو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی مل سکوں۔ تمہارا خون، تمہارا مال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کا دن، مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ جاہلیت کے تمام رسوم میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ جاہلیت کے خون ختم کر دیئے گئے۔ پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیع بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ آج جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔

عورتوں کے بارے اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے اُنہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ اُن پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں اگر وہ ایسا کریں تو تم اُنہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا اور تم پر اُن کا حق یہ ہے کہ تم اُنہیں معروف طریقوں سے کھلاؤ اور

پہناؤ۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں اگر تم اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ ہے اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔ لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا، اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا، ایسا کرو گے تو تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔(14)

"اے لوگو! روز قیامت تم سے میرے بارے پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے"؟

صحابہؓ نے کہا "ہم شہادت دیں گے کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور حق ادا کر دیا"۔

یہ سُن کر آپؐ نے شہادت کی انگلی بلند کی اور تین بار فرمایا "اے اللہ! تو گواہ رہنا"

آپ نے جوں ہی خطبہ مکمل کیا۔ فرشتہ جبرائیل قرآن مجید کی یہ آیت لیکر حاضر ہوا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (3:5)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا"۔

حضورؐ نے ظہر اور عصر کی نمازیں میدان عرفات میں ادا کیں، وقوف کیا، پھر جب سورج کی ٹکیہ غائب ہوگئی آپؐ جانب مزدلفہ چلے۔

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، پھر طلوع فجر تک لیٹے رہے۔ دوسرے دن صبح کی نماز ادا کی اور مشعر حرام کی جانب روانہ ہوئے اور منیٰ تشریف لائے، جمرات میں کنکریاں ماریں۔ بعد ازاں قربان گاہ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے 63 اونٹ ذبح کئے باقی 37 حضرت علیؓ نے ذبح کئے اس طرح

100 اونٹ مکمل کیے۔

ہر اونٹ کا تھوڑا تھوڑا گوشت لیکر پکایا گیا اور تناول فرمایا۔ مکہ تشریف لائے اور طواف ادا کیا۔

آپؐ ایام تشریق (11-12-13 ذی الحجۃ) کو بھی منیٰ میں مقیم رہے۔ تیسرے دن بیت اللہ کا طواف کیا جسے طواف وداع کہتے ہیں۔

تمام مناسک سے فارغ ہو کر سواری کا رُخ مدینہ کی جانب کر دیا۔

اس حج کے بعد اسلام اپنی مکمل صورت میں دنیا کے سامنے آ گیا۔ مشرکین کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ وہ آئندہ حرم پاک میں جاہلانہ رسوم کے ساتھ حج ادا نہ کر سکیں گے۔ اُنہیں اگر کعبہ کی زیارت کرنی مقصود ہے تو مسلمان ہو جائیں۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے عداوت تھی۔ انہیں کہا کہ وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہوں۔ عیسائی دنیا کو یہ پیغام سنایا گیا کہ ”جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے انہوں نے یقیناً کفر کیا کیونکہ جب مسیح کا یہ بیان تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو کہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا پس اللہ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالم لوگوں کا اللہ مددگار نہیں بنتا۔ یقیناً اُن لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے حالانکہ کوئی اللہ نہیں سوائے اُس ایک کے اور اگر لوگ اپنے خیالات سے باز نہیں آئیں گے تو انہیں دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا“۔ منافقین کی سرگرمیاں بھی دم توڑ چکی تھیں اُنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بے شمار عرب کے وفود حضورؐ کے پاس آتے اور اسلام قبول کرتے اس طرح عیسائی وفود جن میں بنو حارث شامل تھا اسلام قبول کرنے کیلئے آئے تو فرشتہ جبرائیل کی آواز آئی:

قل: جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

''کہہ دو (اے محمدؐ) حق آ گیا، باطل مٹ گیا، باطل تو ہے ہی مٹنے والی چیز''۔

وصال مبارک (ربیع الاول 11ھ/مئی 623ء)

(The Prophet`s Death)

انک میت وانھم میتون

دعوت حق لوگوں تک پہنچانے کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آتے ہیں۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ شمالی سرحدوں سے پھر خطرہ کی بو آ رہی ہے۔ حضورؐ ایک بڑے لشکر کی تیاری کرتے ہیں اُس کی سپہ سالاری حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہؓ کے سپرد کرتے ہیں۔

لشکر اسلام مدینہ سے تین میل دور چل کر مقام جرف میں خیمہ زن ہو جاتا ہے کیونکہ لوگوں میں یہ خبر پھیل جاتی ہے کہ اللہ کے محبوب کچھ بیمار ہو گئے ہیں۔

اسی سال 10ھ کو حضورؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا اور حضرت جبرائیل کو دو مرتبہ قرآن مجید سنایا۔ صفر 11ھ میں اُحد کے شہداء کیلئے دعا فرمائی اور ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر اس خدشہ کا اظہار کیا۔

''بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ خطرہ ہے کہ تم دنیا کی طلب میں مسابقت کرو گے''۔(15)

29 صفر 11ھ کو آپ ایک جنازے میں جنت بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر جسم میں درد شروع ہوا اور بخار ہو گیا۔ یہ درد مرض الموت کا آغاز ثابت ہوا۔ آپؐ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی گئی۔ آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بہ اجازت دیگر اُمہات المومنین منتقل ہو گئے۔

وفات سے پانچ دن قبل بخار اور تیز ہو گیا۔ یہاں تک کہ غشی طاری ہو گئی۔

جب کچھ طبیعت بحال ہوئی تو مسجد تشریف لائے اور خطاب کیا:

''لوگو! تم سے پہلے لوگوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا تم ایسا نہ کرنا، پھر آپؐ نے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے مواخذہ کیلئے پیش کیا کہ اگر میں نے کسی کو مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے۔ کسی نے کوئی بدلہ لینا ہو تو میری جان حاضر ہے۔ پھر آپؐ نے انصار سے ہمدردی، محبت اور خلوص کا حکم دیا''۔

دنیا سے رُخصت ہونے سے چار دن قبل آپؐ نے کہا ''لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس پر (عمل) کرنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، روایات کہتی ہیں کہ عمرؓ اور دیگر مسلمانوں کا خیال تھا کہ اس وقت حضورؐ کو شدت مرض ہے لہٰذا آپؐ کچھ نہ لکھیں تو بہتر ہے ہمارے پاس اللہ کا کلام موجود ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ حضورؐ کو قلم کاغذ دیا جائے یا حاضر کیا جائے تا کہ وہ کچھ لکھوا دیں۔ اس پر بحث وتمحیص شروع ہو گئی۔ لوگوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ حضورؐ کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی آپؐ نے لوگوں کو وہاں سے جانے کا حکم دے دیا۔

حضرت بی بی فاطمہؓ آپ کی بہت پیاری بیٹی تھیں روزانہ آپؐ کے پاس حاضری دیتیں اور خیریت دریافت کرتیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اُنہیں اپنے پاس بٹھا کر کان میں کچھ کہا اس پر آپؓ نے رونا شروع کر دیا۔ پھر ایک اور بات کہی اس پر آپؓ نے ہنسنا شروع کر دیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ ''میرے والد اس مرض میں دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اس پر میں رونے لگی اور یہ کہ میں سب سے قبل جنت میں اپنے والد سے ملوں گی یہ سن کر میں ہنسنے لگی''۔

مرض کے چار روز قبل تک آپ نمازیں پڑھاتے رہے عشاء کے وقت مسجد میں نہ جا سکے امامت کیلئے حضرت ابوبکرؓ کو کہلوا بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ایک دن قبل آپؐ کی طبیعت کو سنبھالا ملا تو ظہر کی نماز کیلئے تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ امامت

کر رہے تھے۔ آپؐ کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے لگے لیکن آپؐ نے اشارہ سے منع فرما دیا۔ اس طرح ابوبکرؓ امام الامت کہلائے۔

آخری دن سے ایک دن قبل آپؐ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا۔ بچی کھچی پونجی صدقہ میں دے دی۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیئے۔

آخری دن مسلمان نماز فجر میں مشغول تھے، آپؐ نے حجرہ مبارکہ کا پردہ ہٹایا اور دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اب لحہ بہ لحہ تکلیف بڑھنے لگے۔ آپ فاطمہؓ کی زبانی ایک کرب میں مبتلا تھے۔ ''واکرب اباہ'' کے الفاظ بی بی فاطمہؓ کی زبان پر تھے۔ روایات کے مطابق خیبر میں آپ کو زہر آلود گوشت کھلایا گیا تھا اُس کے اثرات بھی آپکے جسم میں محسوس ہو رہے تھے۔ اس کا اظہار بھی میرے پیارے نبی ﷺ نے اپنی چہیتی بیوی حضرت عائشہؓ سے یوں کیا۔

''اے عائشہ! خیبر میں مجھے جو کھانا کھلایا گیا تھا اسکی تکلیف برابر محسوس کر رہا ہوں''۔

آپؐ پر حالت نزع طاری ہوگئی، اس صورت میں آپؐ دعا گو ہیں:

''اے اللہ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے ہمراہ مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم کر۔ اے اللہ اے رفیق اعلیٰ''۔ یہ جملہ تین بار دہرایا اور محمد ﷺ کے ہاتھ جھک گئے۔ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپؐ اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیه راجعون۔ کل نفس ذائقه الموت O کل من علیها فان کی حقیقت ثابت ہوگئی۔

سلسلہ نبوت کے آخری چراغ کی لو بھی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ یہ 12 ربیع الاوّل چاشت کا وقت تھا۔ آپ کی عمر 63 سال چار دن تھی۔ ''اے اللہ۔ تو ہم سب پر محمدؐ کے صدقے رحم فرما اور ہمیں جنت میں داخل کر''

"اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد"

لوگوں کی محبت کا عالم دیکھیں کہ کوئی ماننے کیلئے تیار نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی وفات پا سکتے ہیں۔ یہاں تک عمرؓ جیسا سمجھدار بندہ بھی یقین نہیں کر رہا تھا۔ وہ مسجد نبوی میں برملا اعلان کر رہے تھے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ ابوبکر صدیقؓ نے اُنہیں سمجھایا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ خطبہ دیا:

"اے لوگو! اگر تم محمدؐ کی پوجا کرتے تھے پھر جان لو کہ محمدؐ اس دنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر تم اللہ کی عبادت کرتے تھے تو جان لو کہ وہ حی وقیوم ہیں جو کبھی نہیں فنا ہونگے"۔ پھر آپؓ نے قرآن مجید کی یہ آیات پڑھیں:

وما محمد، الا رسول قد خلت من قبله الرسُل۔ افائن مات اوقتل انقلبتم علی اعقبکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللّٰه شیئاً وسیجزی اللّٰه الشاکرین O(144:3)

"محمد رسول اللہ، اللہ کے رسول ہیں اُن سے پہلے بھی اللہ کے رسول (اس دنیا میں آ کر) گزر چکے۔ اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ ضرور اُن کو بدلہ دے گا جو شکر گزار ہیں"۔

ابوبکرؓ نے جب قرآن کے یہ الفاظ لوگوں کو سنائے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت پہلی دفعہ نازل ہوئی ہے۔ اس سے تمام شکوک وشبہات کے سائے چھٹ گئے اور لوگوں کا خدا پر یقین اور پختہ ہو گیا۔

تکفین وتدفین *(The Prophet`s Burial)*

ابھی تجہیز وتکفین وتدفین کا معاملہ باقی تھا کہ مہاجرین وانصار میں خلافت کا مسئلہ طول پکڑ گیا۔ بحث ومباحثہ کے بعد تمام لوگ حضرت ابوبکرؓ کی امامت وقیادت پر

متفق ہو گئے۔ یہ اُمت اسلامیہ کا سب سے پہلا اجماع تھا۔ دوسرے دن منگل کی صبح آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔ فضل بن عباس اور اُسامہ بن زید نے پردہ کیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کی موجودگی میں غُسل دیا۔ اوس بن خولی انصاریؓ جنہیں خاص اجازت ملی تھی پانی بھر بھر کر لاتے تھے۔ قثم بن عباسؓ آپ کی کروٹیں بدلتے تھے۔

آپ ﷺ کو تین یمنی سفید رنگ کی چادروں میں کفنایا گیا۔ آپؐ جہاں فوت ہوئے تھے وہیں آپ کی لحد والی قبر کھودی گئی اور دفنایا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ کسی امام کی معیت میں نہ پڑھی گئی بلکہ پہلے اہل خانہ یعنی خانوادہ ہاشم اور پھر مہاجرین پھر انصار پھر عورتوں اور بچوں نے نماز پڑھی۔ اس طرح ایک دن اور گزر گیا۔ تیسرے دن بدھ کی رات آپ کو لحد میں اُتارا گیا اور اللہ کے نبی کا جسد پردہ غائب میں محفوظ ہو گیا۔ (15)

حُلیہ مبارک: (Personality of Muhammad P.B.U.H)

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ آپؐ کا رنگ چمکتا ہوا تھا، چہرہ تابناک اور ساخت خوبصورت تھی، آنکھیں سرگیں، پلکیں لمبی، بال کالے، گھنگھریالے اور کھڑے ہوئے، قد درمیانہ، ٹھوڑی چھوٹی، پیشانی چوڑی، چہرہ گولائی نما، مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں گوشت سے پُر، کندھوں کے درمیان مُہر نبوت، سر قدرے بڑا، جوڑوں کی ہڈیاں بھاری، سینے پر بالوں کی لکیر، ایڑیاں باریک، ہتھیلیاں کشادہ۔ یہ ہے میرے نبی کی تصویر۔

صحابہ کی زبانی آپ ﷺ کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں۔

1- ''آپ ﷺ کا پیکر درمیانی تھا، دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی، بال کانوں کی لو تک پہنچتے تھے، کوئی بھی چیز آپؐ سے خوبصورت نہ تھی''۔ (حضرت براءؓ)

2- ''اگر تم حضورؐ کو دیکھتے تو لگتا تھا کہ تم نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھا ہے''۔ (ربیع بنت معوذؓ)

3- ''جب اُن کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو''۔ (حضرت عائشہؓ)

4- ''آپؐ امین ہیں، اللہ تعالیٰ کے چنیدہ و برگزیدہ ہیں، خیر کی دعوت دیتے ہیں، بدر کامل کی روشنی ہیں جس سے تاریکی آنکھ مچولی کھیل رہی ہے''۔ (حضرت ابوبکرؓ)

5- ''جب آپؐ غضبناک ہوتے ہیں جو چہرہ سرخ ہو جاتا گویا دونوں رُخساروں میں دانہ انار نچوڑ دیا گیا ہے''۔ (حضرت عمرؓ)

6- ''آپؐ کے آگے کے دونوں دانت الگ الگ تھے جب آپؐ گفتگو فرماتے تو اُن دانتوں کے درمیان سے نور نکلتا دکھائی دیتا''۔ (حضرت عباسؓ)

7- ''میں نے کوئی حریر و دیبا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ کبھی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو''۔ (حضرت انسؓ)

8- آپ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپؐ کے بعد کوئی اور گزرتا تو آپؐ کے جسم یا پسینہ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا آپؐ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں''۔ (حضرت جابرؓ)

(بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر)

رسول اللہ ﷺ کی عادات مبارکہ:

(Muhammad`s Life pattern)

حضورؐ کی گفتگو کا انداز بہت میٹھا ہوتا تھا آپ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے۔ اکثر

ایک بات کو تین دفعہ دہراتے۔ بات کرتے وقت نگاہ آسمان کی طرف رکھتے۔ لیکن بے جا بات نہ کرتے۔ اکثر چپ رہتے، ہنستے بہت کم تھے، آپ ہلکا سا مسکراتے، لیکن زیادہ ہنسی آتی تو داڑھ کے دانت بھی نظر آتے۔

لباس میں چادر، قمیض اور تہبند کا استعمال ہوتا تھا۔ شملہ بھی دوش مبارک پر کبھی کبھی پڑا رہتا۔ بعض اوقات شامی عبا بھی استعمال کرتے۔ یمنی چادر بھی ایک دو دفعہ استعمال کی ہے جس میں سُرخ دھاریاں تھیں۔ آپ کو سفید رنگ بہت مرغوب تھا۔ نعلین مبارک چپل نما تھے۔

انگوٹھی پہنتے جو مُہر کا کام دیتی اس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔

آپؐ کے مرغوب کھانوں میں سرکہ، شہد، حلوہ، روغن زیتون شامل ہیں۔

ترکاری میں کدو مرغوب تھا، گوشت میں آپؐ نے دنبہ، مُرغ، بٹیر، بکری، بھیڑ، اونٹ مچھلی کا گوشت استعمال کیا ہے۔ دستی بہت پسند تھی۔

تربوز اور کھجور بھی شوق سے کھاتے تھے۔ ککڑی بھی پسند تھی۔

ٹھنڈا پانی آپ کو بہت پسند تھا۔ دودھ بھی شوق سے پیتے۔

کسی کھانے کو بُرا نہ کہتے۔ کھانا سامنے سے کھاتے۔ ٹیک لگا کر کھانے کو پسند نہ کرتے۔ ہاتھ سے کھانا زیادہ مرغوب تھا تاہم چھری کا استعمال بھی ملتا ہے۔

خوشبو کا استعمال کرتے تھے۔ صحابہؓ کہتے ہیں جس گلی سے آپؐ گزرتے وہ کافی کافی دیر تک معطر رہتی۔

لوگوں کو میلے کپڑے پہننے سے منع فرماتے، پریشان حال لوگوں کو پسند نہ کرتے، بالوں کو سنوارنے کا کہتے، مسجد کی صفائی کا حکم دیتے، ادھر اُدھر تھوکنے سے منع کرتے، نماز کی حالت میں مولی اور لہسن کھا کر آنے سے منع کرتے ایسا اس لئے تھا کہ ساتھیوں کو تکلیف نہ ہو۔ پسینہ کی وجہ سے اگر لوگوں سے بدبو آتی تو آپ انہیں غسل

کرنے کا حکم دیتے۔

آپ کو سواری کا شوق تھا۔ گھوڑے، گدھے، خچر اور اونٹ کی سواری آپ نے فرمائی ہے۔

صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں تشریف فرما رہتے۔ سورج کے نکلنے تک یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ پھر چاشت کی نماز پڑھ کر دربارِ نبوتؐ سجایا جاتا، لوگوں سے باتیں کرتے، اُن کے حالات سنتے، خوابوں کی تعبیر بتاتے وغیرہ۔

اپنے کپڑے سی لیتے، جوتا مرمت کر لیتے، دودھ بھی دوہ لیتے۔

نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کا حال احوال پوچھتے۔

عشاء کی نماز کے بعد زیادہ گفتگو سے پرہیز کرتے۔ سوتے وقت قرآن کی تلاوت ضرور کرتے، آدھی رات کے بعد جاگ جاتے، مسواک کرتے، وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

رات کو سوتے تو دایاں ہاتھ رُخسار کے نیچے رکھتے۔ معمولی بستر پر سو جاتے، چٹائی بھی پسند تھی، ورنہ زمین پر ہی سو جاتے۔

محبوبِ سبحانی بہت عبادت گزار تھے پاؤں میں ورم تک آ جایا کرتے تھے۔

تازہ وضو پسند فرماتے۔ نماز کی سنتیں اور نوافل گھر میں پسند فرماتے۔ نماز باجماعت ادا کرتے۔ جمعہ کا خطبہ دیتے، لوگوں کو سلام ضرور کرتے، ہاتھ میں عصا رکھنا پسند کرتے۔ خطبہ بہت دلپسند ہوتا صحابہؓ کا دل کرتا کہ سنتے رہیں۔

سفر بہت پسند تھے۔ یہ سفر تجارت، جہاد، عمرہ اور حج کے لئے کیے گئے۔ ازواج میں سے کسی ایک کو ضرور ساتھ رکھتے، قرعہ اندازی کے ذریعے اُن کا انتخاب ہوتا۔ صبح کا سفر زیادہ پسند تھا، جب کہیں پہنچ جاتے تو سب سے قبل دو رکعت نماز ادا کرتے۔

بیماروں کی عیادت کرنا آپؐ کا معمول تھا۔ لوگوں کو حکم دیتے کہ عیادت کرو اگر کوئی مر جائے تو جنازہ میں شرکت کرو، اس کے لئے استغفار کرو۔

آپؐ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوتے۔ تین دفعہ اجازت لینا ضروری خیال کرتے، دوسروں کو بھی سلام اور اجازت کا حکم دیتے۔ داہنے ہاتھ سے شروع کرتے۔ مثلاً جوتا پہننا ہو یا مسجد میں پاؤں رکھنا ہو یا کوئی چیز تقسیم کرنی ہو۔

اہل حاجت کی حاجت روائی فرماتے۔ کسی کی بات نہ کاٹتے۔ ہنسی اور مزاح کی باتوں میں شرکت فرماتے۔ لوگوں کی حد درجہ تعظیم فرماتے۔ مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ مجلس میں کسی کی غیبت نہ کرتے۔ نہ چغلی کھاتے۔ مجالس میں سادگی، تواضع اور وقار کا اہتمام فرماتے۔ اخلاق کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ پند ونصائح کیلئے مجالس کا خصوصاً انعقاد کرتے۔ عورتوں کے لئے علیحدہ دن مقرر کیا گیا۔ خطبات میں جوش بھی ہوتا اور جذبہ بھی۔ مساوات انسانی کے پہلو پر زور دیتے۔ حُسن اخلاق، خوف قیامت، عذاب قبر، توحید وصفات الٰہی اکثر موضوعات رہتے۔

صدقہ خیرات کی تلقین کرتے۔ اعلائے کلمۃ الحق کا درس دیتے۔

آپس میں محبت، خلوص، باہم رواداری کا سبق دیتے۔ حسد، کینہ اور بغض سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ آپ صابر، شاکر اور توکل کرنے والے تھے۔ توکل کے بارے کہتے کہ یہ قوت عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اللہ پر بھروسے کا نام ہے۔ آپ اشتعال انگیزی کو ناپسند فرماتے۔ لوگوں میں صلح صفائی کرانے کو پسند کرتے۔ آپ عفو ودرگزر کو شعار بنائے رکھتے۔ لوگوں نے آپؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں لیکن آپؐ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

آپؐ فیاض بھی بہت تھے۔ سخاوت معمول تھا۔

عبادت میں آپؐ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ نماز رات کے پچھلے پہر میں بھی ادا

کرتے۔ روزے رکھتے۔ عاشورہ کا روزہ ضرور رکھتے۔ قرآن مجید کی تلاوت روزانہ کرتے کبھی کبھی تنہا قبرستان چلے جاتے وہاں دعا وزاری کرتے۔ آپؐ نے چار عُمرے کئے۔ حج کیا اور خطبہ دیا جو انسانوں کی رہنمائی کیلئے ''ہدایت اعظم'' ہے۔

ہر لمحہ ذات الٰہی میں مستغرق رہنا آپؐ کا شیوہ تھا۔ میدان جنگ میں بھی آپؐ کی یہی کیفیت رہتی۔ اکثر دعا کرتے رہتے۔

آپؐ کی آواز میں جادو تھا۔ آپؐ تلاوت فرماتے تو لوگوں کے جسم کے بال اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

آپؐ خاتم الانبیاء تھے۔ افضل الرسل تھے۔ محبوب کبریا تھے۔ رحمتہ للعالمین تھے۔ شافع محشر تھے۔ ساقی کوثر تھے۔ آپ کو اللہ سے بہت محبت تھی۔ آپ یہ آیت لوگوں کو سناتے: ''جو ایمان لائے ہیں ان کو اللہ سب سے زیادہ پیارا ہے''۔

آنخضرت ﷺ کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ آسمان کے نیچے شر انگیز اور مصیبتوں کی کوئی ایسی صنف نہ ہوگی جو آپؐ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو۔ لیکن آپؐ کا دل کبھی اضطراب وانتشار، مایوسی وناامیدی اور خوف وبیم سے آشنا نہ ہوا۔

نہ مکہ کی تنہائیوں میں، نہ مصائب کے ہجوم میں، نہ دشمنوں کے نرغے میں، حضورؐ کو فخر وغرور بالکل پسند نہ تھا۔ ہر فاتح کا سر فتح کے وقت غرور وناز سے بلند ہوتا ہے لیکن مکہ وخیبر کا فاتح ان شہروں میں جب داخل ہوتا ہے تو بارگاہ ایزدی میں سر جھکا کر داخل ہوتا ہے۔

آپؐ صبر وشکر کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ عزم وہمت آپؐ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ زندگی کی بے رخی ملاحظہ فرمائیں۔

ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد رخصت ہو گئے۔ بچے تھے کہ ماں کا سایہ سر

سے اُٹھ گیا۔ دو برس بعد دادا نے بھی وفات پائی۔ نبوت ملی تو چچا اور بیوی بھی ہجوم مصائب میں چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔

آٹھ بچوں میں سے سات آپؐ کی زندگی میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے مگر زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلا۔

ہمدردی، ایثار، اخوت کا درس دیتے رہتے۔ لوگوں کی طرف سے اگر کوئی تکلیف بھی پہنچتی تو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔(17-18)

یہ ہے میرے نبیؐ کی سادہ، صاف اور شفاف زندگی۔ جو رہتی دنیا کے ہر فرد کے لئے نمونہ عمل ہے۔"لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ"

باب ہفتم

غزوہ حنین سے عادات مبارکہ تک

-1 بخاری، صحیح بخاری، غزوہ حنین میں تفصیلات موجود ہیں

-2 شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 319

-3 احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، ج 4، ص 399

4- Majid Ali Khan, ***Muhammad the Final Messanger,*** P.301

-5 زرقانی، المواہب اللدینہ، ج 3، ص 72 -6 شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 337

-7 ابن ہشام، السیرہ النبویہ، ج 3، ص 529

طبری، ابن جریر، تاریخ الرسل والملوک، ج 3، ص 110

-8 ابن ہشام، السیرہ النبویہ، ج 2، ص 500

-9 مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 596 -10 شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 331-332

11- Haykal, ***The Life of Muhammad,*** P.442

-12 مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 578

13- Majid Ali Khan, ***Muhammad,*** P.313

-14 ابن ہشام، السیرہ النبویۃ، ج 3، ص 603 طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 37، ص 150

-15 مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 623

-16 شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 2، ص 112، مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 632

-17 ملخص از شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص 165 ......اور

18- Khalifa Abdul Hakim, ***The Prohphet and his Message,*** Institute of Isalmc culture, club Road, Lahore, 1994, P.166-175

باب ہشتم

محمد ﷺ : ایک آفاقی پیغمبر (تکمیل اخلاق وشریعت)

"Muhammad Completes the code of Ethics"

اخلاق خلق کی جمع ہے جس کے معنی عادت، طبیعت، خصلت اور مروت کے ہیں۔ اصطلاح میں اخلاق سے مراد وہ عادات وخصائص ہیں جو انسان سے مسلسل سرزد ہوتے رہتے ہیں اس کی طبیعت کا جزو بن جاتے ہیں۔ اگر یہ عادات اچھی ہوں تو انہیں اخلاق حسنہ اور اگر بری ہوں تو انہیں اخلاق سئیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ خلق کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''خلق، نفس کی ایسی کیفیت اور ہیئت راسخ کا نام ہے جس کی وجہ سے بلافکر وتامل نفس سے اعمال صادر ہوسکیں۔ اگر یہ ہیئت اس طرح قائم ہے کہ اس سے عقل وشرع کی نظر میں اعمال حسنہ صادر ہوتے ہیں تو اس کا نام ''خلق حسن'' ہے اگر اس سے غیرمحمود افعال کا صدور ہوتا ہے تو اس کو ''خلق سیئ'' یعنی بداخلاقی کہتے ہیں''۔ (1)

دراصل اخلاقی حسن انسان میں فطری طور پر موجود ہے اور اسی بنا پر انسان بعض صفات کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ حس انسان میں انفرادی طور پر کم یا زیادہ تو ہوسکتی ہے لیکن مجموعی طور پر انسانی شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی (حُسن) اور بعض پر برائی (قبح) کا حکم لگایا ہے۔ جبکہ وحی الٰہی نے نفس انسانی کو اخلاقی اعمال کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے!

ونفس وما سواھا، فالھمھا فجورھا وتقواھا قد افلح من زکھا، وقد خاب من دسھا(9:91)

اسلام دنیا کا آخری و عالمگیر مذہب ہے اور پیغمبر اسلام اللہ تعالیٰ کے آخری و افضل نبی ہیں اس لئے آپ کی بعثت کا مقصد تعلیم اخلاق اور تکمیل شریعت بھی تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔ "هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیته ویزکیهم ویعلمعهم الکتب والحکمة" (2:62)

مفسرین کے نزدیک اس آیت میں "تزکیہ نفس" اور تعلیم حکمت سے مراد مکارم اخلاق کی تعلیم و تکمیل ہے۔ اس بات کو حضور اکرم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ومحاسن الاعمال

"میں اچھے اعمال اور اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں"۔

جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے اس کی تعلیم دنیا کے تمام مذاہب میں ملے گی۔ لیکن اس بارے میں اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے پیغمبر نے اخلاق کا ایک جامع نظام پیش کیا ہے۔

اس بات کی مزید وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ اخلاق کا نام سب سے پہلے مذہب کی زبان سے سنا گیا۔ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ نے اپنی اپنی قوم کے سامنے اخلاق کے درس دیئے۔ اس طرح دیگر پیغمبر بھی اپنے اپنے وقت میں اخلاق کے علمبردار تھے۔ تاہم فلسفہ اور عقل نے بھی انسان کا ساتھ دیا۔ اس سلسلہ میں اہل یونان نے اس علم کی خدمت کی۔ سقراط نے اس کے مباحث کو وسعت دی۔ ارسطو نے ایک مہذب و مدون علم مرتب کیا اور علم الاخلاق کے نام سے کتاب لکھی۔ (2) غیر الہامی مذاہب میں ہندومت کے علاوہ بدھ مت میں اخلاقی تعلیم کا ذکر نمایاں ملتا ہے۔ اس طرح زرتشت کی تعلیمات اسلامی تعلیمات سے مکمل میل کھاتی ہیں۔ (3) الہامی مذاہب میں یہودیت اور عیسائیت نے اس علم کی بنیاد وحی الٰہی پر رکھی اور اسلام نے ایک جامع اخلاقی تعلیم بخشی۔

معلوم ہوا کہ دنیا کی تمام تہذیبوں کی بنیاد اخلاق ہی پر استوار ہے۔ اس دنیا میں جس قدر بھی پیغمبر اور مصلح آئے سب نے اخلاقیات پر زور دیا اور فضائل اخلاق کی ضرورت کا احساس دلایا۔ ''تخلی بالفضائل اور تخلی عن الرزائل'' کا فریضہ سرانجام دیا۔ سب کی یہی تعلیم رہی ہے کہ سچ بولنا اچھا اور جھوٹ بولنا برا ہے۔ انصاف، بھلائی اور ظلم برائی ہے۔ خیرات، نیکی اور چوری بدی ہے۔ انسانی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا دور نہیں گزرا جب جھوٹ، ظلم اور بدعہدی کو پسند کیا گیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانی اخلاقیات دراصل وہ عالمگیر حقیقتیں ہیں جن کو سب انسان برابر جانتے چلے آ رہے ہیں۔

اسلام دنیا کا قدیم اور جدید مذہب ہے۔ قدیم اس لحاظ سے کہ اللہ کا سب سے پہلا دین، دین اسلام ہی ہے اور جدید اس لحاظ سے کہ اس کی تکمیل کے بعد کوئی الہامی مذہب اس شدت کے ساتھ نہیں ابھرا جس طرح تاریخ انسانی نے مذاہب کی تاریخ میں مذاہب کا ذکر کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے عقائد وخیالات پر مبنی جو مذاہب یا فرقے آج پائے جاتے ہیں وہ دراصل ان اصلی مذاہب کی آواز (Eco) ہیں۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ ایک ہے، محمدؐ آخری پیغمبر ہیں اور امت مسلمہ آخری امت ہے۔ تاہم احیائے دین کی کوششوں سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن مشہور یورپی ماہر نفسیات فرائڈ احیائے دین کی کوششوں کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''انسانی زندگی تین واضح نفسیاتی ادوار میں سے گزری ہے۔ دور وحشت، دور مذہب اور دور سائنس، اب سائنس کا دور ہے۔ لہٰذا مذہب کی باتوں میں کوئی معنویت نہیں وہ فرسودہ ہو چکا اور اپنی تمام قدر و قیمت کھو چکا ہے''۔(4)

فرائڈ کی بات شاید عیسائیت کی حد تک تو درست ہو لیکن وہ دین اسلام کے بارے ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ دین کسی بھی سائنسی تحقیق کا مخالف ومعاند نہیں ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں آج تک کسی سائنس دان کو آگ میں

نہیں جلایا گیا اور نہ اسے قید و بند کی صعوبتیں اور اذیتیں دی گئی ہیں۔(5) (برخلاف عیسائیت کے)

اس بنا پر اسلام کی نظر سے اخلاق کی دو اقسام ہیں۔

1- وہ اخلاق جن کو خدا پسند کرتا ہے۔ فضائل اخلاق کہلاتے ہیں۔

2- وہ اخلاق جن کو خدا ناپسند کرتا ہے رزائل اخلاق کہلاتے ہیں۔

آنحضورؐ کے ذریعے اصول اخلاق کی جو تکمیل ہوئی اس کو یوں دیکھیں کہ توراۃ کی اخلاقی تعلیمات میں شاہی احکام کی شان رکھی گئی ہے۔ جس میں کسی اصول اور غرض وغائیت کی کوئی تشریح نہیں کی گئی۔ انجیل میں لفظی صناعیوں کے سوا اخلاقی احکام کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں۔ اگر ہے تو یہ بنیاد بہت کمزور ہے۔ مثلاً عیسائیت کی تعلیم ہے کہ آدم وحوا گنہگار تھے اور یہ موروثی گناہ ہر انسان کی فطرت میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا پیدا ہونے والا بچہ جب تک بپتسمہ نہ پالے پاک نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اسلام کے نزدیک توحید اصل فطرت ہے اور اسی فطرت سلیم پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

فطرة الله التی فطر الناس علیها(30:30)

پھر ”عہدالست“ کے ازلی سوال کے جواب میں ”بلی شهدنا“ یعنی خدا کا اعتراف انسانوں کی بے گناہی کے لئے کافی ہے کہ وہ پیدا ہونے کے ساتھ اپنے باپ کے موروثی گناہ کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر نہیں لاتا۔ یہی وہ تعلیم ہے جو سراسر ظلم اور بے انصافی کے عقیدے سے پاک ہے اور غمگین دنیا کے لئے عظیم الشان خوشخبری ہے۔

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ صرف رحم ورافت اور تواضع وخاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تہہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے۔ دوست ودشمن، عزیز

و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہے اور کتب سیرت میں آپ کے اخلاق مبارکہ کے جزئی و تفصیلی واقعات دائرہ اخلاق کی تمام تر وسعتوں کے ساتھ درج ہیں۔ آپ کی اخلاقی تعلیمات کا شمار ناممکن ہے۔ کیونکہ آپ کامل اخلاق کا نمونہ تھے۔ ہم صرف چند ایسے موضوعات کا ذکر کریں گے جن سے آپ کی تکمیل اخلاق کی حیثیت ابھر کر سامنے آ جائے۔

ابھی نبوت کی پہلی اینٹ رکھی جا رہی ہے فرشتہ جبریل علیہ السلام آپ کو پیغام ربانی سناتے ہیں۔ آپ گھبرا جاتے ہیں۔ گھر آ کر اس کا اظہار زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ سے کرتے ہیں۔ جواب ملاحظہ ہو:

''خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں''۔ (6)

حبشہ کی ہجرت کے زمانہ میں نجاشی نے جب مسلمانوں کو بلوا کر اسلام اور بانی اسلام کی نسبت تحقیقات کیں اس وقت حضرت جعفر طیارؓ نے جو تقریر کی اسکے چند فقرے یہ ہیں۔

''اے بادشاہ! ہم بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے، بدکاریاں کرتے، ہمسایوں کو ستاتے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا، زبردست زیردستوں کو کھا جاتا، اسی اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا، اس نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ پتھروں کو پوجنا چھوڑ دو، سچ بولو، خونریزی سے باز آؤ، یتیموں کا مال نہ کھاؤ، ہمسایوں کو آرام دو، عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ''۔ (7)

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی تک کافر تھے۔ آنحضرتؐ کی اخلاقی تعلیمات اور اصلاحی دعوت کا جو مختصر خاکہ کھینچا اس میں یہ تسلیم کیا کہ وہ خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ پاکدامنی اختیار

کریں، سچ بولیں اور قرابت کا حق ادا کریں۔(8)

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی کو جب نئے پیغمبر (محمدؐ) کے حالات وتعلیمات کی تحقیقات کیلئے مکہ بھیجا تو انہوں نے واپس آ کر آپؐ کی نسبت اپنے بھائی کو ان الفاظ میں اطلاع دی۔

رائیته یأمر بمکارم الاخلاق (9)

حضورؐ کی سیرت ہمارے لئے روشنی کا معیار ہے۔آپؐ نے دنیا کے انسانوں کو اخلاق کا درس دیا۔ اچھے اخلاق کو سعادت وخوش بختی اور برے اخلاق کو شقاوت وبدبختی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

من سعادة المرء حسن الخلق ومن شقاوة سوء الخلق (10)

انسان کی آخروی نجات وسعادت کا مدار اخلاق حسنہ پر ہے اور یہی انسان کو مومن کامل بنانے کا ذریعہ ہیں۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا (11)

جب خوش خلقی ہی معراج ایمان ہے۔جب مکارم ومحاسن اخلاق کی درستگی ہی وجہ بعثت نبوی ہے اور جب خوش خلقی ہی سب سے بڑی نعمت ہے تو رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل جس کا نمونہ انہوں نے اپنی زندگی میں پیش کیا ہے۔ ہمارے لئے بہترین مثال ہے۔اسے قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰه اسوة حسنه(21:33)

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے جن کے مکتب میں آ کر بڑی بڑی قوموں نے ادب کا زانو طے کیا اور آداب واخلاق کے اعلیٰ سبق حاصل کئے اور سچ تو یہ ہے کہ آج جہاں کہیں بھی حسن اخلاق کا کوئی نمونہ ہے وہ انہیں کے صحیفہ تعلیم کا ایک ورق ہے۔مگر ایک تنقیدی نظریہ ثابت کر دیتی ہے کہ درسگاہ عالم کے سب سے

آخری معلم کو امتیازی مقام حاصل ہے۔

آنحضورؐ سے قبل معلمین کی دو جماعتیں تھیں۔ (1) انبیاء (2) حکماء۔ ان میں فرق یہ تھا کہ انبیاء کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کی معصوم زندگی کے مقدس کارنامے اور پاکیزہ اثرات کا فیض خیر و برکت کی سبیل بن کر نکلتا اور پیاسوں کو سیراب کرتا لیکن بلند سے بلند حکیم اور اخلاق کا دانائے رموز فلفی انسان کے ایک ایک اندرونی جذبہ، باطنی قوت اور فطرت کا سراغ تو لگا لیتا مگر عمل سے محروم ہوتا اور ان کے منہ کی آواز کسی دل کی لوح پر نقش نہ بنا پاتی۔ جبکہ انبیاء کی جو تعلیم ہے وہی ان کا عمل ہے۔ لہٰذا ان کی تعلیم اور صحبت کا فیضان خوشبو بن کر اڑتا اور ہم نشینوں کو معطر بنا دیتا۔ یہی وہ فرق ہے جو انبیاء و حکما یعنی موسیٰ، عیسیٰ، محمدؐ اور ان کے مقابلے میں سقراط، افلاطون اور ارسطو میں نمایاں ہے۔ سقراط اور افلاطون کے مکالمات اور ارسطو کے اخلاقیات کو پڑھ کر شاید ایک شخص بھی صاحب اخلاق نہ بن سکا ہو۔ جبکہ قوموں کی قومیں ان انبیاء کی تعلیم و تلقین سے اخلاق کے بڑے بڑے مدارج و مراتب پر پہنچیں۔

مگر اس دنیا میں سارے انبیاء یکساں نہیں۔ ایک کامل و مکمل معلم کیلئے ضروری ہے کہ!

1- اس کی زندگی آفاقی ہو۔

2- اس کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق عملی مثال موجود ہو۔

3- اس کی اخلاقی زندگی میں یہ جامعیت ہو کہ وہ انسان کے ہر کارآمد گروہ کے لئے اپنے اندر اتباع و پیروی کا سامان رکھتی ہو۔

تنقید کے ان معیاروں پر تمام بانیان مذاہب کی زندگیوں کو جانچیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے صرف پیغمبر اسلام محمدؐ کی حیات پاک جامع کمالات ہے۔ دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں ہے جس کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہو کہ گویا وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر

موسیٰ علیہ السلام تک توراۃ کے ایک ایک پیغمبر پر نگاہ ڈال جاؤ تو ان میں سے کون سا پیغمبر ہے جس کی مکمل تعلیمات ہمارے سامنے ہوں۔

صرف معلم اسلامؐ ہی ہیں جن کی زندگی کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے۔ بقول باسورتھ اسمتھ :

''یہاں (سیرت محمدیؐ) پورے دن کی روشنی ہے جس میں محمدؐ کی زندگی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح نمایاں ہے''۔ (12)

آنحضرت ﷺ کا خود یہ حکم تھا کہ میرے ہر قول اور عمل کو ایک دوسرے تک پہنچاؤ۔ محرمان راز کو اجازت تھی کہ جو مجھے خلوت میں کرتے دیکھو اس کو جلوت میں برملا بیان کرو جو حجرہ میں کہتے سنو اس کو چھتوں پر چڑھ کر پکارو۔ (13)

یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے اعلانیہ ممتاز نظر آتی ہے۔ تاریخی ہستی کے ثبوت کے طور پر ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا تو دنیا اسکے جواب سے عاجز ہو کر رہ جائے گی۔ دنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح علیہ السلام کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا مصلح اعظم گوتم بدھ عملاً کیا تھا؟ کوہ زیتون کے رحمانی اخلاق کا ''واعظ مسیح'' دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا۔ لیکن بقول سید سلیمان ندوی بائبل اسکی زندگی کا ایک واقعہ بھی اسکے زریں مقولوں کی تائید میں پیش کرنے سے قاصر ہے؟ اور مکہ کا معلم قرآن کی زبان میں پکار کر کہتا ہے جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو؟

رسم لما تقولون مالا تفعلون (2:61)

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا۔ انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا۔ گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا۔ شریعت کا جو نقطہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور

کون رازدان ہو سکتا ہے؟ چند صاحبوں نے جب آنحضورؐ کے اخلاق حضرت صدیقہؓ سے بیان کرنے کو کہا تو وہ پوچھنے لگیں کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ جواب ملا کیوں نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''وہ مکمل قرآن تھے''۔ قرآن کریم کی ایک مکمل تفسیر تھے۔ یعنی جو کچھ قرآن کریم میں مکارم اخلاق اور صفات محمودہ مذکور ہیں۔ وہ اس کا عملی نمونہ تھے۔

جیسا کہ آغاز میں بیان ہوا کہ خلق عربی میں ایسی عادت کو کہا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے اچھے کام خود بخود ہوا کریں۔ فاعل کو تکلیف سے کام نہ لینا پڑے۔ اس لحاظ سے رسول ﷺ سے جو بھی افعال مبارکہ صادر ہوئے تھے۔ یعنی سخاوت فرمانا، جان کے بدترین دشمنوں کو معاف کر دینا۔ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے عفو وکرم کا مظاہرہ کرنا، دشمنان دین کے ساتھ انتہائی بہادری واستقامت وشجاعت سے نبرد آزما ہونا۔ بے مثال ایفائے عہد کا مظاہرہ کرنا اور ایسے ہی دیگر تمام صفات مبارکہ آپؐ کی عادات کریمہ تھیں۔

موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترن اقوال کا مجموعہ ہیں۔ لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے۔ قرآن مجید لاکھوں مخالفین واہل عناد کی بھیڑ میں بھی اپنے داعی کی نسبت گویا تھا۔

انک لعلی خلق عظیم(4:68)

بے درد نکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپؐ کو سنگدل کہتے ہیں لیکن اس وقت جب یہ کچھ ہو رہا تھا قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپؐ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا۔

فبما رحمة من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک(185:3)

دوسری جگہ کہتا ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم(128:9)

جو قرآن الفاظ کی صورت میں ہے۔ حامل قرآن کی سیرت میں بصورت عمل تھا۔ اگر غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت کا حکم دیا تو پہلے خود اس فرض کو ادا کیا۔ خود بھوکے رہے دوسروں کو کھلایا۔ اگر آپؐ نے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کرنے کی نصیحت کی تو پہلے خود اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کیا۔ اپنے ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ جنہوں نے آپ پر تیر برسائے، تلواریں چلائیں، مسلح ہو کر بھی کبھی ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اپنی چیز اپنی ضرورت کے وقت بھی مانگنے والے کے حوالہ کر دی۔ یہی چیز ہے جو دنیائے انسانیت پر واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

اخلاق کا سب سے مقدم وضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے۔ اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ اس بارے میں آنحضورؐ کا ارشاد ہے۔

ان احب العمل الی اللّٰہ دومه (14)

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔

آنحضورؐ نے نہ صرف یہ فرمایا بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ جس کام کے کرنے کا جو وقت آپؐ نے مقرر کر لیا تھا۔ اس میں کبھی تخلف نہ ہوا۔ نماز اور تسبیح وتہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہ آیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضورؐ کے عادات و اعمال کے متعلق پوچھا کہ کیا آپؐ کسی خاص دن یہ کام کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا۔

لا كان عمله ديمه (15)

یعنی آپؐ کا عمل جھڑی ہوتا تھا۔ جو بات آپؐ نے ایک دفعہ اختیار کر لی۔ ہمیشہ اس کی پابندی کی۔

آنحضورؐ نے حسن خلق کو لازم قرار دیا اور فرمایا کہ دین میں بہترین شخص وہ ہے جو اچھے اخلاق رکھتا ہے۔ حدیث ہے:

علیک حسن الخلق فان احسن الناس خلقاً احسنهم دينا (16)

آپؐ نے اپنے اس فرمان کو عملی طور پر ثابت کیا۔ حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتوں آپؐ کی خدمت میں رہے ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپؐ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ آپؐ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے۔ کسی کی خاطر شکنی نہ کرتے تھے۔

سلام میں پیش دستی فرماتے۔ مہمان کا اکرام فرماتے۔ کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو اس کا نام لے کر مجلس میں ذکر نہ کرتے۔ بلکہ فرماتے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے لوگوں کی یہ عادت ہے۔ ابہام اس لئے فرماتے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساس غیرت میں کمی نہ آئے۔ اس کے برعکس حضرت عیسیٰؑ سے متعلق ہمیں (انجیل) بائبل میں لکھا ملتا ہے کہ وہ جب بھی یہودیوں سے خطاب کرتے یوں فرماتے:

''اے فریسیوا، اے ریا کارو، اے سانپ کے بچوتم جہنم کی سزا سے ہرگز نہ بچ سکو گے''۔(17)

عدل وانصاف کو لے لیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ان اللّٰه يامُر بالعدل والاحسان(90:16)

تو اس پر حضورؐ نے ایسا عمل کر کے دکھایا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ گوشہ نشین نہ تھے۔ بلکہ آپ کو عرب کے سینکڑوں قبائل سے کام

پڑتا جوایک دوسرے کے دشمن تھے۔

ایک کے موافق فیصلہ دوسرے کو دشمن بنا دیتا۔ اشاعت اسلام کی غرض سے تالیف قلوب سے بھی کام لینا پڑتا، ان سب مشکلات کے باوجود آنحضورؐ کے انصاف کا پلہ کبھی کسی طرح جھکنے نہ پاتا۔ خواہ معاملہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم یا خود اپنے مقابلہ میں کبھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پایا۔ ہم یہاں آپؐ کے عدل وانصاف کی صرف ایک عملی مثال پیش کرتے ہیں کہ قریش کے باعزت خاندان مخزومیہ کی ایک عورت نے چوری کی۔ سزا سے بچنے اور معاملہ دبانے کیلئے رسول ﷺ کے محبوب خاص اسامہ بن زیدؓ نے معافی کی سفارش کی تو آنحضورؐ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے''۔(18)

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب، نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو ودرگزر ہے اور نبی آخر الزماںؐ کی ذات اقدس ہی ہے جس میں یہ جنس فراواں تھی۔ قریش نے آپ کو گالیاں دیں۔ مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اقدس پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپؐ کی شان میں گستاخیاں کیں، نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل کبھی شاعر کہا۔ لیکن آپؐ نے کبھی ان باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔ تمام روایتیں اس بات سے متفق ہیں کہ آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب ارض مقدس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور لگے حیلے بہانے کرنے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تنگ آ کر یوں دعا کی۔

فافرق بيننا وبين القوم الفسقين(25:5)

حضرت موسیٰ کی دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر 40 برس تک وہ زمین حرام کر دی اور وہ صحرا میں بھٹکتے رہے۔

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے مگر محمدؐ کے اخلاق کی یہ شان ہے کہ گالیاں دینے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور جو تشنہ خون ہوتے ان کو پیار کرتے، جنگ اُحد میں دشمنوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندان مبارک کو شہید کیا، جبین اقدس کو خون آلودہ کیا۔ لیکن ان حملوں کے جواب میں یہ دعا دی۔

الهم اهد قومی فانهم لا یعلمون

ایک جگہ یہ الفاظ ہیں۔

رب اغفر قومی فانهم لا یعلمون (19)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی نگرانی میں اپنی قوم کو چھوڑ گئے۔ قوم نے پیچھے بچھڑا بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی او رحضرت ہارون کے روکنے کے باوجود نہ رکے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹے تو اس پر انہیں بہت غصہ آیا۔ انہوں نے تختیاں پھینک دیں اور بھائی کے سر اور داڑھی کو جھنجھوڑنے لگے۔

قرآن پاک میں آتا ہے۔

والقى الالواح واخذ براس اخيه يجّره اليه(150:7)

ایک اور جگہ اس طرح سے آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آکر ہارون علیہ السلام کو پکڑا تو وہ کہنے لگے۔

يبنئوم لا تأخذ بلحيتي ولا براسي(94:20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے قابو ہو کر یہ قدم اٹھایا۔ بعد میں انہوں نے بھائی کے لئے اور اپنے لئے مغفرت بھی طلب کی۔ لیکن محمدؐ کی زندگی میں کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جب آپؐ نے غصہ سے بے قابو ہو کر کوئی کام کیا ہو۔

وہ اہل طائف جنہوں نے دعوت اسلام کا جواب استہزاء اور تمسخر سے دیا، ج و ں نے داعی اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ سخت ذہنی وج ۔ ۔ نی تکالیف پہنچائیں۔ جنہوں نے پائے مبارک کو لہولہان کیا۔ ان کی نسبت فرشتہ غیب چھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے۔ جواب ملتا ہے۔

''میں ان لوگوں کی تباہی کے لئے کیوں دعا کروں اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لائے۔ تو کیا ہوا شاید ان کی آئندہ نسلیں خدا پر ایمان لانے والی ہوں''۔ (20)

فتح مکہ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے عسکر نے مکہ فتح نہیں کیا بلکہ خلق محمدیؐ اور عفو مصطفویؐ نے اہل مکہ کے دلوں کو فتح کر لیا۔ انسانیت کی تاریخ میں اس قسم کی کوئی فتح نہیں ملتی کہ فاتح جائیداد لینے کی بجائے دے جائے۔ انتقام لینے کی بجائے یہ اعلان کر دے۔

لا تثریب علیکم الیوم

محمد رسول اللہ ﷺ دنیا کے وہ واحد پیغمبر ہیں۔ جن کے صحیفہ نے خود بلا خوف وخطر اپنے داعی ومبلغ کی زندگی کی اخلاقیت کو اس کے معاصرین کے سامنے نقد وتبصرہ کے لئے پیش کیا۔ فرمایا۔

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (16:10)

معلم کے کمال کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی اخلاقی زندگی اور تعلیمات میں یہ تاثیر ہو کہ خود کامل ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے ناقصوں کو بھی کامل بنا سکے۔ خود پاک ہو مگر ساتھ ہی دوسرے ناپاکوں کو بھی پاک کر دے۔ اخلاق کے سارے معلموں

پر نظر ڈال جاؤ کہ یہ تکمیل کی شان سب سے زیادہ کس میں تھی؟ کیا اس میں جس کو قدم قدم پر بنی اسرائیل کی سنگدلی، کجروی کا گلہ کرنا پڑا۔ کیا اس میں جس کے پورے گیارہ شاگرد بھی امتحان کے وقت پورے نہ اتر سکے۔ کیا اس میں تھی جس کی نسبت یہ اعلان کیا گیا:

یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (2:62)

اس اعلان میں جو بات خاص اور قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ محمدؐ صرف کتاب وحکمت کے مفسر اول ہی نہ تھے بلکہ نفس انسانی کی اصلاح کرنا، اسے ہر قسم کی نفرت، کدورت، بداعتادی سے پاک صاف کرنا، ناقصوں کو کامل بنانا، گنہگاروں کو نیک کرنا، اندھوں کو بینا اور تاریک دلوں کو روشن دل بنا دینا بھی رسول ﷺ کا منصب رسالت تھا۔ یعنی عیسائیوں کی طرح بپتسمہ نہیں دیتے تھے بلکہ نظر کرم سے ہی روح کو کفر وشرک کی نجاست سے نجات دے دیتے۔

کسی معلم میں تکمیل کی تاثیر کے لئے دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کی تکمیل اور نظم ونسق کے لئے ایک ہی قوت کے انسانوں کی نہیں بلکہ سینکڑوں مختلف قوتوں کے انسانوں کی ضرورت ہے۔ اخلاق کے دوسرے معلمین کی درسگاہوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ وہاں صرف ایک فن کے طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ کی تربیت گاہ میں فوجی تعلیم کے سوا کوئی اور فن نمایاں نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ کے مکتب میں عفو ودرگزر کے سوا کوئی اور سبق نہیں۔ بدھ کے ہاں بھیک مانگنے والے فقیروں کے سوا اور کوئی موجود نہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی درسگاہ اعظم میں آ کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عمومی جامعہ ہے۔ جس میں انسانی ترقی کی ہر وقت نشوونما پا رہی ہے۔ خود معلم کی ذات ایک پوری یونیورسٹی ہے۔ جس کے اندر علم وفن کا ہر شعبہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور ہر جنس اور مذاق کے طالب علم آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق استعداد کے

مطابق کسب کمال کرتے ہیں۔

آپؐ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاد، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد و عابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے۔ یہ تمام انسانی طبقے آپ کے سامنے آ کر زانوئے ادب طے کرتے ہیں اور اپنے اپنے پیشہ وفن کے مطابق آپؐ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ آنحضورعلیہﷺ کی تعلیمات کی تفصیل، وسعت، جامعیت، ہمہ گیریت کی بنا پر آپؐ کو دوسرے بانیان مذاہب پر ترجیح وامتیاز حاصل ہے اور یہی بات آپؐ کی اخلاقی تعلیمات کی تکمیل کا باعث بن گئی۔ آنحضورؐ نے تمام جملہ اخلاقی تعلیمات کے جزئیات تک کا احاطہ کیا اور اپنے پیروؤں کو ان سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے کوئی بات سوال وجواب کیلئے باقی نہ رکھی۔ (21) یہی معنی اس تکمیل کے ہیں جس کیلئے آپؐ کی بعثت ہوئی۔ آنحضورؐ نے اخلاقی تعلیمات کی تکمیل تین حیثیتوں سے فرمائی:

آپؐ نے تمام اخلاقی تعلیمات کا احاطہ کیا جبکہ یہودی، عیسائی اور دوسرے اخلاقی معلمین نے ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے صرف اپنے زمانہ اور قوم کے حالات کے مطابق اخلاقی اصلاحات کی فہرست بنالی اور ان میں سے بھی صرف چند اصولوں کو زیادہ اہمیت دے کر نمایاں کر دیا۔ محمدؐ نے اخلاقی تعلیمات کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے تمام برائیوں اور بھلائیوں کے جزئیات کو بیان کیا۔ مذاہب کی نرمی وگرمی، عاجزی وبلند ہمتی دونوں قسم کے اخلاق کی تفصیل بیان کی اور ان کے مواقع کی تجدید کی۔

یہودیت مذہب میں جن اخلاقی تعلیمات کی فہرست مرتب ہوئی ان میں احکام عشر (Ten Commandments) کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان دس میں سے پہلے چار یعنی توحید، مجسمہ بنانے کی ممانعت، خدا کے ناموں کی جھوٹی قسم نہ

کھانا اور سبت کے دن آرام کرنا۔ عقائد سے متعلق ہیں اور باقی اخلاقی اور شرعی احکام صرف یہ چھ ہیں۔ ماں باپ کی عزت کرنا، خون نہ کرنا، چوری نہ کرنا، پڑوسی پر جھوٹی گواہی نہ دینا اور پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا۔ (22)

بقول سید ندوی حضرت عیسیٰؑ نے توراۃ، زبور اور امثال میں جو تعلیمات بکھری پڑی تھیں اور جن کو بنی اسرائیل بھلا چکے تھے ان کو از سر نو پیش کیا۔ جن کا تذکرہ ملتا ہے وہ کچھ یوں ہیں۔ دل کی غریبی، غمگینی، حلم و بردباری، راست بازی، رحم دلی، پاک دلی، صلح جوئی، صبر، عفو و درگزر، پاک دامنی، قسم کھانے کی ممانعت، ظلم کا مقابلہ نہ کرنا، قرض معاف کرنا، دشمنوں کو پیار کرنا، ریا کی ممانعت، توکل اور عیب نہ لگانا۔ (23)

محمد عربیؐ کی بعثت کسی خاص قوم یا زمانہ تک محدود نہ تھی۔ اس لئے آپؐ کی تعلیمات بھی محدود نہ تھیں۔ آپؐ خاتم النبین ہیں۔ سید المرسلینؐ ہیں۔ آپؐ پر الہامی مذاہب کا خاتمہ ہوگیا۔ آپؐ نے جو اصلاح کی وہ تمام قوموں اور زمانوں تک وسیع ہے۔ آپؐ نے ان تمام برائیوں سے جو پائی جاتی تھیں یا پائی جانے والی تھیں منع کیا اور تمام انسانی محاسن کو کھول کر بیان کیا اور ان کے حصول کی تاکید فرمائی۔ قرآن مجید میں ایک طویل فہرست موجود ہے۔ جن کی تعلیم یا ممانعت آپؐ نے کی۔

محمدؐ کی صفات و تعلیمات پر سید سلیمان ندویؒ نے صرف عنوانات کا تذکرہ دو صفحوں میں کیا ہے۔ ان کی تفصیل لکھی جائے تو دفاتر بھر جائیں۔ کنز العمال جو ہر قسم کی حدیثوں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے اس کا اگر مطالعہ کریں تو آنحضورؐ کے اخلاق کریمانہ 187 صفحات میں رقم کئے گئے ہیں اور ہر صفحہ 37 سطور پر مشتمل ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی اخلاقی و نفسیاتی کیفیات و حالات کا کوئی ایسا جزو نہیں جس پر سب سے بڑے معلم اخلاق محمدؐ کی نگاہ نہ پڑی ہو۔

آنحضورؐ کی تعلیمات نے ہر برائی اور بھلائی کے پورے جزئیات کا احاطہ کیا

ہے۔ مثال کے طور پر صدقہ وخیرات کو لے لیں۔ توراۃ نے اسے صرف عشر وزکوۃ تک محدود رکھا اور انجیل نے سب کچھ غریبوں کو دے کر خود غریب بن جانے کو اچھا سمجھا۔ آنحضورؐ کی تعلیم نے دونوں کو یکجا کیا اور ایک خاص طریقہ کار بتایا۔ سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا کر خود مفلس بن جانے کو پسند نہیں کیا بلکہ یہ کہا:

یسئلونک ماذا ینفقون o قل العفو (219:2)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرف ''قل العفو'' میں پوشیدہ ہے اب تک
شاید کہ اس دور میں اس کی حقیقت ہو نمودار

اسلام نے آفاقی تعلیم کی بدولت اپنی ضرورت روک کر دوسرے کی حاجت پوری کرنے کی تعلیم دی ہے اور اسے کمال خلق کی دلیل قرار دیا ہے۔ انصار نے خود تکلیفیں اٹھا کر مہاجرین کی مصیبتیں دور کیں تو ان کی یوں مدح فرمائی گئی:

یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ (9:59)

اسی طرح اگر شرعی تعلیمات کا جائزہ لیں تو قبل از اسلام توراۃ وانجیل نے سود لینے کی ممانعت بہت مجمل انداز میں کی۔ لیکن جب اسلام نے سود کو حرام قرار دیا تو ربا کی حقیقت اور اقسام کی پوری تفصیل بیان کی اور انکے مشابہ تمام معاملات سے باز رکھا۔

مسیحی اخلاق کا اگر بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ نرمی کی طرف زیادہ زور ہے۔ تواضع، خاکساری، فروتنی، عاجزی، بردباری، غمگینی جیسے اخلاق پر توجہ دی جاتی ہے۔ اسلام تواضع اور انکساری کے ساتھ ساتھ خود داری اور عزت نفس پر بھی زور دیتا ہے۔ جس طرح عفو ودرگزر بلند ہمتی کا کام ہے اسی طرح قانونی انتظام بھی ضروری ہے۔ بقول نطشے:

''مسیحی اخلاق کی بدولت کمزوری، عاجزی، خواری اور مسکینی پیدا ہوئی جس کی وجہ سے لوگوں میں عزم، بلند ہمتی، استقلال، ثابت قدمی، عزت نفس اور خود داری جیسے جوہر پیدا نہ ہو سکے''۔ (24)

مسکرات کی حرمت میں بھی تعلیم محمدؐ نے جزئیات کا احاطہ کیا ہے۔

علم اخلاق کے ماہرین کا بیان ہے کہ شراب کے استعمال سے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ عالمان اقتصادیات کا بیان ہے کہ فقر وفاقہ کا سبب اور تباہی مال کا باعث شراب ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا بیان ہے کہ سنگین جرائم، قتل، زنا بالجبر، رہزنی وغیرہ کا ارتکاب اکثر بدمستی شراب کی حالت میں ہوتا ہے۔ غرض پارسائی کو برباد کرنے والی سب سے بڑھ کر شراب ہے۔ جس کے بارے میں عیسائیت کا بانی پولوس یہ حکم دیتا ہے کہ:

''آگے چل کر تو صرف پانی نہ پیا کر بلکہ اپنے ہاضمہ اور اکثر کمزوریوں کے واسطے تھوڑی مے پی''۔ (25)

یورپ وامریکہ میں لفظ ''تھوڑی'' کی قید بالکل نہ رہی اور شراب تمام خرابیوں کی جڑ ثابت ہوئی۔

محمدؐ وہ پہلے اور تنہا معلم اخلاق ہیں جنہوں نے شراب کو رجس بتلایا عمل الشیطان کہا اور ام الخبائث اسی کا نام رکھا اور بانی اسلام نے عیسائیت کے برعکس ایسے نشہ کی مقدار قلیل کو بھی حرام بتایا جو مقدار کثیر پر پہنچ کر نشہ آور ہو۔

حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (26)

اسی طرح زنا کو حرام قرار دیا۔ فرمایا ولا تقربوا الزنا (32:17) اس حکم سے ان اسباب و وسائل کو بھی حرام کر دیا ہے جو زنا تک لے جانے والے ہیں۔

مردوں، عورتوں کا اختلاط اور ہنسی مذاق، ایک مکان میں غیر محرم مرد وزن کی بودوباش، دلربائی اور حسن نمائی کے طریقے نظر بازی وغیرہ سب سے اجتناب کا درس دیا۔

اسی طرح آپ دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ کی شریعت مجسم عدل ہے۔ جہاں احسان ودرگزر کی گنجائش نہیں۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات سراسر اخلاق، رحمت اور احسان ہیں۔ اسلام نے عدل واحسان دونوں میں امتزاج پیدا کرکے دنیا کے نظام حکومت کو کامل تر کردیا:

ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان (90:16)

قانون اور اخلاق دونوں امن وامان کے لئے ضروری ہیں۔ توراۃ محض قانون ہے اور انجیل محض اخلاق ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ امن وامان اور فتنہ وفساد کے انسداد کے لئے کافی نہیں۔ آنحضورؐ نے کامل شریعت دے کر عدل واحسان اور قانون واخلاق کو جمع کردیا۔ ایسا قانون دیا جس نے تمام برائیوں کا سد باب کیا اور ایسا اخلاق دیا جس نے تمام محاسن ومفاسد کا احاطہ کرلیا۔ قانونی طور پر قتل سرکہ، رہزنی، تہمت کے لئے اسلام سزائیں مقرر کرتا ہے۔ ذاتی اخلاق کے طور پر انسانوں کی روحانی تکمیل کے لئے جھوٹ نہ بولنے، رحم کھانے اور غریبوں کی امداد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق قانوناً صاحب حق توراۃ کی تعلیم کے مطابق بدلہ لے سکتا ہے لیکن اس سے بلند تر بات انجیل کے مطابق ظالم کو نہ صرف معاف کردینا بلکہ برائی کی بجائے بھلائی کرنا ہے۔ (27)

اس طرح یہودی شریعت میں انتقام کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کا حکم ہے:

''اور جو انسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا......اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے گا سو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت''۔(28)

عیسائیت میں عفو و درگزر کے پہلو پر زور دیا گیا ہے۔

''تم سن چکے کہ کہا گیا ہے آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے، دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے''۔(29)

اسلام کے تمام احکام میں یہ دونوں اصول جاری ہیں۔ مندرجہ بالا مسائل میں محمد ﷺ کی تعلیم ملاحظہ ہو۔

كتب عليكم القصاص فى القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والانثى بالانثى(178:2)

یہ تو معاوضہ کا عادلانہ قانون تھا۔ اس کے بعد ہی اخلاق کا حکم ہے:

فمن عفى له امن اخيه شى فاتباع بالمعروف واداء اليه باحسان(178:2)

مالی معاملات میں بھی یہی جامعیت موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وان تبتم فلكم رء وس اموالكم(279:2)

یہ تو تھا قانون۔ اب اخلاق دیکھئے۔

وان كان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة وان تصدقوا خيرلكم

چنانچہ قرآن پاک یہ اصول بیان کرتا ہے۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم

لھو خیر للصابرین(126:16)

مسیحی اخلاقی تعلیم کا زریں اصول ہے کہ تم دشمن سے پیار کرو۔ (30) لیکن یہ ناممکن العمل بات ہے۔ اخلاق محمدیؐ نے اس کی بجائے دشمن سے نیک سلوک کرنے اور بُرا چاہنے والوں کے ساتھ بھلا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ جس پر عمل ممکن بھی ہے۔

ادفع بالتی ھی احسن(34:41)

عیسائیت کی تعلیم میں غصہ نہ کرنے کی تلقین ملتی ہے۔ لیکن اسلام غصہ مٹانے والے کی نہیں غصہ دبانے والے کی تعریف کرتا ہے۔

والکاظمین الغیظ(134:3)

اسلام کی نظر میں کافر ومشرک سے بڑھ کر کوئی مذہبی دشمن نہیں۔ لیکن ان کے ساتھ بھی وہ عفوودرگزر کی تعلیم دیتا ہے۔

قل للذین امنوا یغفرو اللذین لا یرجون ایام اللّٰہ(14:45)

اس کی عملی مثالیں ''ریاکار فریسیو'' اور ''سانپو اور سانپو کے بچو'' والی مسیحت کے واعظ میں نہیں بلکہ داعی اسلام میں ہیں۔ جس نے مفتوح نہیں فاتح بن کر، محکوم نہیں حاکم بن کر ان ہزاروں دشمنوں کو معاف کر دیا جن میں سے ہر ایک اس کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے اخلاق میں یہودیوں کے ساتھ نرمی، رحمدلی اور رقیق القلبی نہ تھی وہ یہودیوں کو بے تکلف سخت سے سخت الفاظ سے خطاب کرتے۔ (31) محمدؐ دنیاوی معاملات اور اخلاق میں مسلمانوں کو کفار ومشرکین سے بھی عدل وانصاف اور رواداری کی تاکید فرماتے تھے۔ عین لڑائی کی حالت میں بھی یہ حکم ہے:

ان احدمن المشرکین استجارك فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ(6:9)

کیا ایک جنگجو مذہبی دشمن کے ساتھ اس سے زیادہ حسن سلوک ہوسکتا ہے؟ محمدؐ

کسی سے دائمی یا موروثی نفرت کی تعلیم نہیں دیتے۔ ایک مسلمان کو کافر و منافق یا گنہگار کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے کفر و نفاق اور عصیان سے بیزاری و نارضا مندی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں ایمان کو محبت کا اور فسق و فجور اور گناہ کو نفرت و کراہت کا مورد قرار دیا گیا ہے۔

حبب الیکم الایمان وزینة فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان(7:49)

نبی رحمت کی نظر میں نہ تو ہندوؤں کی طرح کوئی قابل نفرت اچھوت ہے۔ نہ یہودیوں کی طرح کوئی ناپاک غیر مختون اور غیر قوم ہے۔ نہ مجوسیوں کی طرح پاک نژاد اور بدگہر کی تفریق ہے اور نہ عیسائیوں کی طرح کالے گورے اور یورپین غیر یورپین کی تقسیم ہے۔ اسلام میں کفر و ایمان اور شرک و توحید کا فرق ہے۔ ایک خالص عرب اور قریش کافر ہو کر ابوجہل اور ابولہب ہو سکتا ہے اور ایک معمولی حبشی و عجمی مومن و موحد ہو کر بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلیمان فارسیؓ کا رتبہ پا سکتا ہے۔ (32) کیونکہ سب انسانوں میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں بڑھا ہوا ہے۔

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم(13:49)

محمدؐ کا جملہ اقوام پر یہ احسان ہے کہ اس نے جمہوری طرز حکومت دیا۔ اس سے قبل شخصی حکومت کو مستحکم بنایا گیا تھا۔ مسیحؑ کا مشہور قول ہے:

''جو چیزیں قیصر کی ہیں قیصر کو دے دو''۔(33)

مسیحؑ نے حکومت کا جو نمونہ سکھایا اس میں رعایا کا کوئی حق مال گزاری کی ادائی کے سوا معین نہیں تھا۔ جبکہ محمدؐ نے صاف طور پر حکم دیا:

وامرھم شوریٰ بینھم(38:42)

آپؐ نے اپنے عمل سے بھی اسے بارہا ثابت کر دکھایا۔ آج آئینی حکومت

کے جملہ حکمران اسی اصول پر کاربند ہیں اور اسی کو حکمرانی کا بہترین طریقہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسلام ہی نے دنیا کو آئینی حکومت کا جمال دکھایا۔ ان کو تحفظ نوعی وجنسی اور تعاون افرادی وقومی سے آگاہ کیا۔

مستشرقین حضورؐ کی سیرت کو مسخ کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں انہوں نے سیرت اور قرآن پر اعتراضات اٹھائے "Difficulties in the Quran" کے حوالے سے "Internet" پر ایک Series کا آغاز کیا ہوا ہے۔ انہوں نے حضورؐ اکرم کے تعدد ازواج کے فلسفے پر اعتراضات وارد کئے۔ حالانکہ آنحضورؐ بانیان مذاہب میں سے وہ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے عورتوں کو تمدن میں برابر کی جگہ دی اور ان کے مساویانہ حقوق کو بحال کیا۔ موسوی شریعت میں عورتوں کو مردوں کا محکوم اور غلام سمجھا جاتا۔ شادی سے پہلے اسے باپ کی ملکیت اور شادی کے بعد خاوند کی مملوکہ تصور کیا جاتا۔ عیسائیت عورت کو شیطان کے آنے کا دروازہ، شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی، مرد کو غارت کرنے والی قرار دیتی ہے۔ ہندو مذہب نے عورت کو قعر مذلت میں دھکیل دیا۔ ستی کی رسم کی اجازت دیکر عورت کی توہین کی۔ اس کے برعکس اسلام عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہر لحاظ سے محترم قرار دیتا ہے۔ اسے گھریلو نگرانی اور نئی نسل کی صالح بنیادوں پر تربیت دینے کی ذمہ داری سونپتا ہے۔ اسلام کے تمام قوانین وتوجیہات عورت کے احترام انسانی کے کفیل ہیں۔ حق ملکیت اور حق تصرف اس کے لئے محفوظ ہے۔

للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن (32:4)

عائلی زندگی میں اسے احترام دیا۔ وعاشروھن بالمعروف (19:4) کا درس دیا۔

اسلام نے تعدد ازواج کا مسئلہ حل کیا۔ معترضین نے اعتراض کیا کہ اسلام نے ایک سے زائد عورتوں کو بیوی بنا لینے کی اجازت دی ہے۔

اسلام میں شرط عدل ہے اور اس شرط کے احتمال فقدان پر بھی ''فواحدۃ'' کا ارشاد موجود ہے۔ کیا کوئی مذہب ہے جو اپنی مقدس کتاب میں اس کا ہم معنی لفظ دکھا سکے۔ کوئی مذہب ہے جو مسیح علیہ السلام یا موسیٰ علیہ اسلام کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو ''فواحدۃ'' کے ہم معنی ثابت کر دے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تب اس کو اقرار کرنا چاہئے کہ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ آج تعدد ازواج کے متعلق ان کے خیالات اس قدر ہموار ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی شخص اس کی وجہ عیسائیت کی تعلیم کو یا عیسائیوں کے عملی نمونہ کو قرار دے سکتا ہے ہرگز نہیں۔ عیسائیت کی تعلیم ازواج کے بارے میں خاموش ہے اور ان کا عملی نمونہ اس آئینی قانون کا نتیجہ ہے جو اسلامی حکم سے بہت بعد میں نافذ کیا گیا اور ٹھنڈے خون والے یورپ نژاد کے لئے صرف ایک ہی بیوی پر محدود رہنا لازم ٹھہرایا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس قانون کے نفاذ سے بہت بیشتر قرآن مجید کے ترجمے یورپ کی زبانوں میں اشاعت پذیر ہو چکے تھے اور قرآن مجید کے الفاظ ''فواحدۃ'' ہر ایک سمجھ والے کے دل میں ایسی ہی تحریک پیدا کر رہے تھے۔ (34)

مختصراً ایک بیوی والے جس قانون پر یورپ کو فخر ہے وہ محمدؐ کے بنائے ہوئے حکم قرآنی کا خلاصہ ہے اور یہ قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ تحریف و کتمان سے پاک ہے۔ اکثر مستشرقین کا یہ اجماع ہے۔ قرآن پاک کے متعلق سر ولیم میور The Life of Muhammad میں لکھتا ہے۔

''(قرآن پاک کا) کوئی جزو، کوئی فقرہ، کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جسے جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو اور کوئی ایسا اضافی لفظ نہیں سنایا گیا جو کہ اس مسلم

وعہ میں داخل کر دیا گیا ہو۔ جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں کوئی بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن (مجید) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک ہو...... قرآن نے فطری اور کائناتی دلائل کے بل بوتے پر خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کر دکھایا اور انسانوں کو خدا کے حضور اطاعت وشکر گزاری پر جھکا دیا''۔ (35)

ولیم میور کی لکھی ہوئی سیرت عیسائیوں اور یہودیوں کی نمائندگی کرتی ہے اور ایک عرصہ سے چلی آ رہی مذاہب کی کشمکش کی نمائندہ تفسیر ہے۔

میکڈونلڈ (Macdonald) سے لے کر پروفیسر گب Gibb تک مارگولیتھ سے لے کر منٹگمری واٹ تک سب ایک ورثہ پر عمل پیرا ہیں۔ وہ اپنی روایات کے امین ہیں اور اسی پر رہیں گے۔ (36) جبکہ اسلام عیسائیت اور یہودیت کو جمع کرتا ہے۔ ان کی اخلاقی تعلیمات کا احاطہ کرتا ہے یہ چیز انہیں تسلیم نہیں۔

دنیا جس امر کا انتظار کر رہی تھی کہ ایسا مذہب جو یہودیت اور عیسائیت کا جامع ہو۔ اسلام نے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ موسوی شریعت ظاہری پابندیوں کو دیکھتی عیسوی شریعت اخلاقیات اور باطنی صفائی کا درس دیتی۔ محمدیؐ شریعت نے ظاہر وباطن ہر دو کو صاف کیا۔ آپؐ نے عیسائیت اور یہودیت سے آگے بڑھ کر انسان کی رہنمائی کی۔ مسٹر روڈویل کے ترجمہ قرآن میں پروفیسر ہٹن سمتھ (Hiten Smith) نے اسکی تصدیق کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا:

''جیسا کہ حقیقت ہے یسوع مسیح کا کام نامکمل حالت میں چھوڑا گیا تھا۔ انجیل کا نزول کسی اور استاد کے لئے ہوا جو اس کے اخلاقی قوانین کو ترتیب دے۔ قرآن شریف روحانی مشقوں اور اعمال کی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی وقانونی ضابطہ کا ایک عظیم ترین مجموعہ ہے''۔ (37)

مسٹر مارما ڈیوک پکتھال (Mr. Marma Duke Picthal) نے "اسلام اینڈ ماڈرن ازم" پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا۔

"وہ قوانین جو قرآن مجید میں درج ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ نے سکھائے وہی قوانین کا کام دے سکتے ہیں اور اس کتاب کی سی کوئی کتاب صفحہ عالم پر موجود نہیں"۔(38)

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات تکمیل اور شریعت کا باعث تھی۔

آپؐ نے الہامی مذاہب میں چلے آنے والے اخلاقی محاسن اور شرعی ضابطوں کی تکمیل کی۔

آپؐ نے الہامی مذاہب کو نہ صرف جاری وساری رکھا بلکہ ایک Comprehenvsive ضابطہ اخلاق مرتب کیا۔ اسلام کا یہ دعویٰ درست ہے کہ اس نے عیسائیت اور یہودیت میں جو وقت نے خلاء ڈال دیا تھا اور تعلیمات میں جو تحریف ہوگئی تھی اس کو ختم کر کے ایک عمدہ راستہ زندگی متعین کر دیا۔ یہی کام ایک آفاقی پیغمبر کا ہوتا ہے۔ محمد ﷺ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کی ہدایت کیلئے دنیا میں تشریف لائے۔ آپؐ کی سیرت اس بات کی غماض ہے کہ آپؐ ہر عیب سے پاک تھے۔ معصوم عن الخطاء تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے۔ دنیا کو ظلم اور شرک سے بچانے کیلئے تشریف لائے۔ مال کی محبت کے برعکس خدا اور اسکے رسول کی محبت کا درس دیا اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا کا درس دیا اُس کیلئے لوگوں کو عملی طور پر تیار کیا وہ اپنے مشن ومقصد میں کامیاب ہوئے۔ ایک عرصہ تک دنیائے عیسائیت حضورؐ کی تعلیم کو توڑ مروڑ کر پیش کرتی رہی۔ لیکن اب آنکھیں کھلنے کا وقت ہے۔ محمد ﷺ کو ایک آفاقی پیغمبر تسلیم کرنے میں ہی دنیا میں مساوات اور

برابری کی تعلیم ابھرے گی۔

"Mavrice, Stanly and Carlyle in England, Emerson, Parker, Channing and Droper in America, each representing a varied school of thought, have testified as the result of earnest study that Islam merits the thanks of humanity". (39)

باب ہشتم

محمد ﷺ: ایک آفاقی پیغمبر (تکمیل اخلاق وشریعت)

-1 غزالی، ابو حامد، احیاء العلوم، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، ج 3، ص 56

-2 شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، سروسز بک کلب، لاہور، 1986ء، ج 6، ص 32

-3 فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذہب، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1990ء، ص 155

-4 محمد قطب، شبہات حول الاسلام (اسلام اور جدید ذہن کے شبہات) البدر، پبلی کیشنز، لاہور، 1981، ص 15

-5 ایضاً

-6 بخاری، محمد اسمٰعیل، صحیح بخاری، ادارہ لطباعۃ المنیریۃ دمشق، 1985، ج 1، ص 3-4

-7 احمد بن حنبل، مسند، دارالباز للنشر والتوزیع، مکہ، 1978، ج 1، ص 202

-8 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الوحی، ص 3-4

-9 مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 190

-10 علی المتقی، کنز العمال، ج 3، ص 12

-11 ایضاً

12- Bosworth, Smith, ***Seerah of Muhammad,*** P.108

بحوالہ ندوی، سید سلیمان، خطبات مدراس، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص 91

13- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 6، ص 32

14- ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ

15- بخاری، صحیح بخاری، کتاب الرقاق

16- علی المتقی، کنز العمال، ج 3، ص 11

17- فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذاہب، ص 273

18- بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحدود

19- مسلم، صحیح مسلم، ج 2، ص 90

20- صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص 180

21- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 6، ص 116

22- Barton, G.A. ***The Religions of the World***, Olympia publication, New Delhi, 1990, P.79

23- شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ص 119-120

24- بحوالہ منصور پوری، قاضی سلیمان، ''رحمتہ للعالمینؐ''، جلد 3، ص 477

25- بائبل، باب 5، آیت 32

26- ابوداؤد، السنن، کتاب الاشربہ

27- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 6، ص 141

28- احبار 24-17، خروج 21-12، گنتی 45-31، استثناء 19-11-12

29- انجیل متی، باب 5، آیت 38

30- انجیل متی، باب 70

31- انجیل متی، 23-25-33

32- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج 6، ص 177

33- انجیل متی، 21-22

34- منصور پوری، قاضی سلیمان، رحمتہ للعالمینؐ، ج 3، ص 465

35- بحوالہ سعید الحسن شاہ، سیرۃ الامام الانبیاء، گنج شکر پرنٹرز لاہور، 1985ء، ص 331

36- M.Akram,Dr,***Orientalism: Nature and Development,*** al-Adwa, Punjab University, Lahore, 1993

37- بحوالہ سعید الحسن شاہ، سیرۃ الامام الانبیاء، ص 438

38- ایضاً، ص 345

39- Syed Amir Ali, Maulvi, ***The Life and Techniques of Muhammad,*** Williams and Norgate, Edinburgh, 1873 (preface)

کتابیات

1- القرآن الکریم

2- ابن سعد، طبقات ابن سعد، دار صادر، بیروت، 1985ء

3- ابن قیم، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد (تحقیق: شعیب الارنوؤ) موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1996

4- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، 1936

5- ابو داؤد، سنن ابی داؤد، مکتبہ امدادیہ، ملتان

6- احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ، 1978ء

7- اختر وقار عظیم، شبلی بحیثیت مورخ، تصنیفات، لاہور

8- الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، 1418ھ

9- انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت سول، اقبال اکادمی، لاہور، 1989ء

10- بخاری، محمد بن اسمٰیل، صحیح بخاری، ادارہ الطباعۃ المنیر یۃ، دمشق، 1985ء

11- پھلواری، محمد جعفر شاہ، محمد پیغمبر انسانیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2 کلب روڈ لاہور

12- توکلی، نور بخش، سیرت رسول عربی، ادارہ الاویس، لاہور

13- تھانوی، اشرف علی، حبیب خدا، مکتبہ عالیہ لاہور، 1978ء

14- جواد علی، المفصل تاریخ العرب قبل الاسلام، دار العلم، بیروت، 1970ء

15- حالی، الطاف حسین، حیات جاوید، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، 1971ء

16- حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی،

1950ء، عہد نبویؐ کے میدان جنگ، 1998ء

17- الخطیب، مشکوۃ المصابیح، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

18- الزرقانی، محمد بن عبدالباقی، المواھب اللدنیۃ، قاہرہ، مصر، 1327ھ

19- سعید الحسن شاہ، سیرۃ امام الانبیاء، گنج شکر پرنٹرز لاہور، 1985ء

20- السہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، الروض الانف، مطبع الجمالیہ، قاہرہ، 1914ء

21- سید عبداللہ، مقالہ علم السیر ۃ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

فن سیرت نگاری پر ایک نظر، فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1976ء

سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1994ء

22- سید محمد اسمٰعیل، رسول عربی اور عصر جدید، مکتبہ القریش، اردو بازار لاہور، 1998ء

23- عرجون، محمد صادق ابراہیم، محمد رسول اللہ، دارالقلم، دمشق، 1985ء

24- عسقلانی، حافظ بن علی، ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار نشر الکتب، الاسلامیہ، شارع شیش محل، لاہور

25- علی المتقی، علامہ علاؤ الدین علی المتقی، الھندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1964ء

26- عنایت اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کے سیرت نگار، فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

27- غزالی، ابو حامد، احیاء العلوم، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

28- فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذہب، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

29- طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، (تاریخ الامم والملوک) مطبعۃ الاستقامۃ، قاہرہ، 1939ء

30- گیلانی، سید مناظر احسن، النبی الخاتم، الفیصل غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، 1999ء

31- مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، 1998ء

32- محمد قطب، شبہات حول الاسلام، (اسلام اور جدید ذہن کے شبہات) البدر پبلی کیشنز، لاہور، 1981ء

33- مسلم، حافظ ابن الحسین، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

34- منصور پوری، سید سلمان، رحمتہ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مہر نبوت، حنیف بک ڈپو، دہلی

35- نثار احمد، ڈاکٹر، اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء، فکر ونظر (سپین نمبر) 1991ء

36- نجدی، عبدالوہاب، مختصر سیرۃ الرسولؐ، مطبعہ السنتہ المحمدیہ، 1375ھ

37- ندوی، سید سلیمان، خطبات مدارس، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1926ء

38- نعمانی، شبلی، سیرۃ النبیؐ، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 1991ء

39- واقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، تحقیق الدکتور مارسدن جونز، مکتبہ جامعہ آکسفورڈ، 1996ء

40- ھیکل، محمد حسین، حیات محمد (ترجمہ محمد مسعود عبدہ) الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور

41- ***Bible,*** New World translation of the Holy Scripture watch tower Bible society, New York, 1982

42- Barton, G.A; ***The Religions of the World,*** Olymipa

publication, New Delhi, 1990

43- Gulzar Ahmad Brigadiar; ***The Prophet`s concept of war,*** Islamic book foundation, Lahore, 1986, P.134

44- Hamidullah; ***Muhammad Rasulullah,*** Idara-Islamiat Anarkali, Lahore, 1392H

45- Haykal, M.Husian; ***The life of Muhammad,*** Islamic book trust Kualumpur, 1993

46- Khalifa, Abdul Hakim; ***The prophet and his Message,*** Institute of Islamic culture, club road, Lahore, 1994

47- Margoliuth, ***Muhammad and the Rise of Islam,*** oxford press, London, 1905

48- Majid Ali Khan; ***Muhammad the Final Messenger,*** Dawa acadmey, International Islamic University, Islamabad, 1983

49- Martin, lings; ***Muhammad,*** Sohial academy, Lahore, 1983

50- Montrgomery, watt; ***Muhammad the Prophet and Statesman,*** oxford universtiy press, London, 1961

51- Nadvi, Abul-Hasan; ***Islam and the World,*** Islamic research and publications, Lucknow, 1973

52- Syed Amir Ali, Maulvi, ***The Life and Teachings of Muhammad,*** Williams and Norgate, Edinburgh, 1873

53- Tor Adnrae; ***Muhammad,*** English translation by theophil menzel, Harper and Brother, New York, 1960

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانیت کی رہنمائی کیلئے اپنے پیغمبروں کو اس دنیا میں بھیجا۔ مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہ نفوس قدسیہ لوگوں کو ہدایت ربانی سے بہرہ ور کرتے رہے۔ ان تمام انبیاء کے آخر میں رحمۃ العالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ آپؐ کے پیغام کو جامعیت، کاملیت، ابدیت اور محفوظیت کا درجہ ملا آپ کی دی ہوئی تعلیم تکمیلی حیثیت کی حامل ہے۔ آپؐ نے عقائد، عبادات، اخلاق، قانون، معاشرت، معیشت، سیاست، روحانیت یعنی زندگی کے ہر پہلو میں انسانوں کیلئے ایک پیغام چھوڑا۔ ایسا پیغام جو چودہ سو برس سے لیکر آج تک لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی تسکین قلب کیلئے اکسیر ہے۔ ڈاکٹر اکرم رانا اپنی تحریر میں آفاقی سطح پر امت مسلمہ کی فلاح وبہبود کے متمنی ہیں۔ ان کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کو دنیا میں غالب اکثریت کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ انکی سوچ غالب آئے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ اپنے مطالعہ میں شامل کیا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پروفیسر صاحب کے قلب وقلم میں مزید وسعت پیدا کرے۔ ان کے اسلوب بیان کو مزید نکھارے اور اس کتاب کو انکی نجات کا ذریعہ بنائے۔

ڈاکٹر محمد شفیق خان (سابقہ وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور)

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ ابتدائی تعلیم سے لیکر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے تک موصوف میرے کلاس فیلو رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب شروع سے ہی اسلامی کتب میں انہماک ظاہر کرتے رہے ہیں۔ ان کے مطالعہ کا نچوڑ اس کتاب سیرت سے عیاں ہے۔ عاشقان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو بہترین طریقے سے اجاگر کیا ہے۔ زیر نظر کتاب کے بارے میں یہ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ پروفیسر صاحب کی محنت قابل قدر ہے۔ جدید اور آسان طرز تحریر ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا زندہ ثبوت ہے۔ الفاظ میں سلاست، جملوں میں متانت اور اکثر جگہوں پر عالمانہ اور محققانہ طرز استدلال ہے۔ آخر میں ایک اور بات کہوں گا۔ کہ سیرت نگار کی اپنی کوشش ہوتی ہے کہ وہ سیرت کو مرتب کرتے وقت احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے وہ پریشان ہوتا ہے کہ کس واقعہ کو لے اور کس کو چھوڑے۔ مصنف نے اس بات کا بطور خاص خیال رکھا ہے کہ وہ جدید دور کے نوجوان ذہن کو ان شبہات [illegible] یہ کتاب سیرت لٹریچر میں ایک اضافہ کا باعث بنے گی [illegible] تحریر کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین) میں رانا [illegible] مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب اہل [illegible]

پروفیسر ڈاکٹر [illegible] جعفر (چیئرمین شعبہ اسلامیات بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ)